ڈاکٹر سید ظفر محمود کے شائع شدہ اردو مضامین

Published Urdu Articles of Dr Syed Zafar Mahmood

2020

January 09, 2020

ملت کا موجودہ جوش و مستقبل کے چار تقاضے

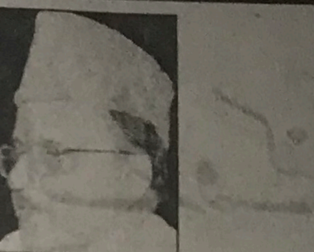

ڈاکٹر سید ظفر محمود

هم اهل ملت کو چاهیے که اپنے اس جوش کو تهنڈا نه پڑنے دیں.یاد رکھنے که اگر هم چاهتے تو موجوده حکومت کی تالیف ایسی نهیں هوتی که وه اس قدر نازیبا بل پارلیمنٹ میں پیش کرے۔ ملک کے امور کو اپنے هاتھ میں لینے کے لیے همیں اپنے ملی و دستوری تقاضے پورے کرنے هوں گے۔

گزشتہ تین چار ہفتوں میں صوبہ اتر پردیش اور دیگر علاقوں میں جو حالات پیدا ہوئے ہیں وہ اللہ کی طرف سے ہمارے چیلنجز میں اضافہ کن ہیں اور ان پر ہمارا ردعمل یہی ہونا چاہیے کہ ہم اپنے حوصلے زیادہ بڑھا دیں۔ جن افراد نے ملت کی سرفرازی کے لیے شہادت دی، اللہ انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے اور ان کے اہل خانہ کو صبر جمیل عطا کرے، ہم اہل ملت ان کے مرہون منت ہیں اور ان کی تسلی وتسکین کے لیے دامے درمے قدمے سخنے حاضر ہیں۔ جن لوگوں کے خلاف بیجا کارروائی ہوئی ہے ان کی امداد کے لیے بڑی تعداد میں وکلا و دیگر اہل خیر بڑھ کر الحمدللہ فرض کفایہ ادا کرنے کے لیے سامنے آئے ہیں، اللہ انھیں جزائے خیر عنایت فرمائے، آمین۔ قابل تحسین ومبارکباد ہیں جامعہ ملیہ اسلامیہ وعلی گڑھ مسلم یونیورسٹی، دیگر تعلیمی اداروں کے مایہ ناز طلبا وطالبات، دہلی کے شاہین باغ میں ڈیرہ ڈالنے والی بہادر خواتین، جادو پور یونیورسٹی میں سونے کا تمغہ لینے کے بجائے شہریت ترمیمی قانون کی نقل کو پھاڑنے والی جواں سال طالبہ دیب اسمیتا چودھری، پانڈیچیری یونیورسٹی میں صدر جمہوریہ سے تمغہ لینے سے انکار کرنے والی دوشیزہ رابعہ عبدالرحیم، صوبہ کیرالہ کی اسمبلی کے دور اندیش اراکین، دس دیگر صوبوں کے وزرائے اعلیٰ جنھوں نے شہریت ترمیمی قانون کا نفاذ کرنے سے انکار کردیا، سابق قومی سلامتی مشیر شیوشنکر مینن جنھوں نے کہا ہے کہ سی اے اے کی وجہ سے صرف اندرون ملک بغاوت نہیں ہے بلکہ بین الاقوامی سطح پر سی اے اے کے لیے کہیں بھی حمایت نہیں ملی اور ہندوستان کو تنقید وا کیلے پن کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، مشہور وکیل گوتم بھاٹیہ جنھوں نے سوال اٹھایا کہ سی اے اے کے استفادہ میں میانمار اور سری لنکا کی اقلیتوں کو کیوں شامل نہیں کیا گیا؟، سابق چیف اکنامک ایڈوائزر نتن دیسائی جنھوں نے کہا کہ پوری دنیا رفیوجیز کے لیے رحم دلی سے پیش آرہی ہے اور ہمارا ملک الٹی سمت میں جارہا ہے، دہلی کے سابق لیفٹیننٹ گورنر نجیب جنگ جنھوں نے کہا کہ پولیس کا جامعہ ملیہ اسلامیہ میں بغیر اجازت داخل ہونا افسوسناک ہے، ملکی وعالمی سطح کے اخباری، الیکٹرانک وسوشل میڈیا کے ذی ہوش قابل فخر افراد، اقوام متحدہ کا ہائی کمیشن برائے حقوق انسانی جس نے اپنی تشویش کا اظہار یہ کہتے ہوئے کیا کہ ہندوستان کے شہریت ترمیمی قانون کی بنیاد سماجی تعصب ہے، جاپان کے وزیراعظم جنھوں نے اپنا دورۂ ہند منسوخ کردیا، ملیشیا کے وزیراعظم، وہ سات ممالک جنھوں نے اپنے شہریوں کو ہندوستان کا سفر کرنے میں خطرات کی تنبیہ کی، او آئی سی، آکسفورڈ و ہارورڈ یونیورسٹی، شہریت قانون کے نشانہ پر آئے ہوئے ممالک کی حکومتیں اور ہندوستان میں و بیرون ملک سیکڑوں مقامات پر پرامن احتجاج میں حصہ لینے والے مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے لاکھوں نوجوان و بزرگ۔

ان سب نے مل کر علامہ اقبال کی حکایت پر عمل کرتے ہوئے بھرپور زندگانی کا ثبوت دیا اور اپنی دنیا خود پیدا کرلی، انھیں احساس ہوگیا کہ کن فیکونیت کا ضمیر ہی آدمیت کا اصل جوہر ظہور ہے، رحمت الٰہی جوش میں آئی اور حکومت کے مغرور سپہ سالار کو گھٹنے ٹیکنے پڑے، مصنوعی ہی سہی لیکن ملت کے تعلق سے انھیں اپنی زبان میں شائستگی لانی پڑی، حکومت کے نمائندوں کو کہنا پڑا کہ ابھی این آر سی کا کوئی ارادہ نہیں ہے اور کوئی دستاویز نہیں مانگا جائے گا، وہ سمجھنے لگے کہ پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں سے چاروناچار طریقہ سے پاس کروا لینے کے بعد بھی ملک کا تانہ بانہ بگاڑنے والی حکومت کی بیجا پالیسی اور کالے قانون کا نفاذ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ادھر چھوٹے میاں سبحان اللہ، سناتن دھرم کے کیسری رنگ کی توہین کرتے ہوئے اتر پردیش کے وزیر اعلیٰ کو بھی ہرا ہرا نظر آنے لگا، انھوں نے سوچا کہ تاریخ اپنے آپ کو دہرا بھی سکتی ہے ملت کی بے حرمتی کرکے شاید انھیں ترقی مل جائے، لہٰذا انھوں نے صوبائی پولیس کو احکامات دیے کہ شہریت ترمیمی قانون کے مسلم مخالف ہونے پر اگر ملت غم وغصہ کا اظہار کرے تو اسے سبق سکھاؤ، انھیں جسمانی اذیت پہنچاؤ اور ان کی جائیداد ہتھیالو، لیکن وہ بھی بھول گئے کہ معصوم کا خون رائیگاں نہیں جاتا ہے، وہ انسانیت کے ضمیر کو جھنجھوڑتا ہے اور اس سے غیرت خداوندی جوش میں آجاتی ہے۔ بظاہر نقصانات کی تلافی کے لیے نوٹس جاری ہوئے لیکن اس کے پس پشت نیت سب پر عیاں ہوگئی۔ ٹی وی چینلوں نے بھی پردہ فاش کردیا کہ صوبہ میں حکومت کے ذریعہ سپریم کورٹ کی گائڈ لائنس کی خلاف ورزی کا بازار گرم ہے۔ ابھی وقت ہے کہ اتر پردیش صوبہ بہار سے سبق لے جہاں پھلواری شریف میں شہریت قانون مخالف پرامن احتجاج میں حصہ لینے والے عامر حنظلہ کے قتل کے الزام میں دیپک مہتو، چھوٹے مہتو اور سنوج مہتو کو پولیس نے گرفتار کرلیا ہے اور نلیش سمراٹ ووکاس کمار پر شکنجہ کس رہی ہے۔

لیکن ہم اہل ملت کو چاہیے کہ اپنے اس جوش کو ٹھنڈا نہ پڑنے دیں، یاد رکھئے کہ اگر ہم چاہتے تو موجودہ حکومت کی تالیف ایسی نہیں ہوتی کہ وہ اس قدر نازیبا بل پارلیمنٹ میں پیش کرے۔ ملک کے امور کو اپنے ہاتھ میں لینے کے لیے ہمیں اپنے چار ملی و دستوری تقاضے پورے کرنے ہوں گے۔ (i) ہم میں سے 18 برس یا اس سے زیادہ عمر والے ہر عورت و مرد کو ووٹر کے طور پر الیکشن کمیشن کی ویب سائٹ پر رجسٹر کرنا ہوگا۔ (ii) جو افراد ووٹر بن چکے انھیں ہر مہینہ میں ایک دفعہ الیکشن کمیشن کی ویب سائٹ پر چیک کرکے یقینی بنالینا ہوگا کہ ان کا نام اب بھی ووٹر لسٹ میں ہے اور اگر نام وہاں سے نکال دیا گیا ہے تو آن لائن اپنے کو دوبارہ ووٹر لسٹ میں ڈالنے کے لیے جستجو کرنی ہوگی۔ (iii) پارلیمنٹ، اسمبلی، کارپوریشن، میونسپل بورڈ، پنچایت وغیرہ ہر الیکشن میں ہماری ملت کا ہر ووٹر ضرور ووٹ دے، اس کا انتظام ہمیں ذاتی تگ و دو کے ذریعہ کرنا ہوگا۔ (iv) ہر الیکشن سے پہلے ایک اور بھی تیاری ہمیں کرنی ہوگی یہ کہ ہمارا ووٹ تقسیم نہ ہو اور متحد ہو کے ایک ہی امیدوار کو پڑے، یہ کام کرتے وقت اگر یہ خیال آئے کہ دوستی یا سیاسی رجحان کی بنیاد پر ہم فلاں امیدوار کی حمایت کریں، چاہے اس میں ملت کا نقصان ہی دکھائی پڑ رہا ہو تو اس وقت دسمبر 2019 کے دوران اتر پردیش میں دو درجن افراد کی شہادت وان کے ماں باپ بھائی بہن کے رنج وغم کو کو یاد کرلیجیے۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی و دیگر تعلیمی ادارے جو اس وقت بند ہیں، ان کے طلبا و طالبات اپنے گھروں میں وقت گزار رہے ہیں، وہ اس وقت یہی کام کریں صرف اپنے لیے نہیں بلکہ اہل خاندان، محلہ والوں، دوست احباب، دکانداروں، رکشہ والوں وغیرہ ہر ایک کو اپنی اس مہم میں شامل کرنا ہوگا۔ یہی کام مساجد کے ائمہ وخطبا، متولی، مسجد کمیٹیوں کے ذمہ داروں، مسجد کے نمازیوں، آر ڈبلیو اے کے اراکین، اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں، مدارس، جامعہ دیگر تعلیمی اداروں کے سربراہوں، اساتذہ، کلاس مانیٹروں، ہوسٹل وارڈنوں وغیرہ کو مستقل طور پر کرنا ہوگا، خاص کر خواتین اس میں حصہ لیں جس طرح انھوں نے دہلی کے شاہین باغ میں حوصلہ دکھایا۔

info@zakatindia.org

January 23, 2020

عالم اسلام اور ہماری خودنگہداری

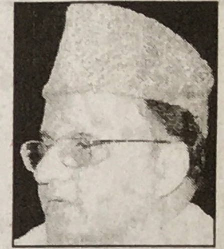

ڈاکٹر سید ظفر محمود

دنیا و ہندوستان کے علمائے کرام کو مذہب کے علاوہ مقاصد شریعت کی افادیت پسندی کی طرف بھی غور کرنا ہوگا۔ہمیں اسلامی کردار اور اسلام کے آفاقی پیغام کے اظہار و نمائندگی کو غلط ہاتھوں سے واپس لے کر خود اس کی شایان شان بازیابی کرنی ہوگی۔علم جدید و ٹیکنالوجی کو مال غنیمت سمجھ کے اور اس کا استعمال کرکے ہمیں اپنی وہ ہزار برس قبل کھوئی ہوئی تحقیقی صفت پھر سے حاصل کرنی ہوگی اوراُس وقت کے جوش و ولولہ سے اپنے کو پھر سے جوڑنا ہوگا۔ ہمیں قرآن و حدیث کی روشنی میں بین المذاہب شراکت قائم کرنی ہو گی۔ ساتھ ہی افراد ملت کو مستقل ذاتی محنت ومشقت کے ذریعہ ملک و دنیا میں اپنا اور ملت کا اعلیٰ مقام پیدا کرنا ہو گا۔

فرانس کی دارالسلطنت پیرس میں تین برس قبل دنیا کے تمام براعظموں کے ان ممالک کے جہاں 40 کروڑ مسلمان جامع اقلیت کے طور پر رہ رہے ہیں، 35 مسلم نمائندوں کا ایک سہ روزہ مذاکرہ (Colloquium) منعقد ہوا تھا جو الحمدللہ اپنی نوعیت کا منفرد مذاکرہ رہا۔مذاکرہ کا عنوان تھا ”Living where we don't make the rules“ یعنی ”اس جگہ رہنا جہاں ہم قانون نہیں بناتے“۔ جنوبی افریقہ، فرانس، برطانیہ، امریکہ، ہنگری، تیونیشیا، برازیل، کناڈا، آسٹریلیا، سنگاپور وغیرہ کے مسلم اسکالرز و محقق وہاں موجود تھے۔سوئزرلینڈ کے ڈاکٹر طارق رمضان، فرانس کے شیخ علی محی الدین القرادغی، تیونیشیا کے شیخ محمد راشد الشناسی، برطانیہ کی سارہ جوزف اور شمالی امریکی اسلامک سوسائٹی کے قومی جنرل سکریٹری سید محمد سعید بھی شامل تھے، ہندوستان کی نمائندگی راقم السطور کے ذمہ تھی۔ اِسی وقت اس سے ہٹ کے پیرس میں دوسری جگہ فرانس کا سالانہ مسلم جلسہ بھی چل رہا تھا،موضوع تھا ”اسلام میں امن، عدل اور انفرادی تعظیم“، جس میں فرانس کے تقریباً 1,50,000 مسلم عوام نے حصہ لیا۔ہمارے مذاکرہ میں بنیادی احساس یہ تھا کہ سورہ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کا طریقہ بتایا گیا ہے: ہم آپ کی ہی عبادت کرتے ہیں اور آپ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ یہاں بندوں کی طرف سے جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے نہ کہ واحد کا۔ یہ قرآن کریم میں اللہ کی طرف سے امت محمدیؐ کے لیے باہمی اجتماعیت کی پہلی ہدایت ہے۔

مذاکرہ میں موضوع بحث یہ بڑا نکتہ تھا کہ امت مسلمہ کی جو 40% آبادی متعدد ممالک میں اقلیت کے طور پر رہ رہی ہے، اس کے اکثریت کے ساتھ زیادہ تر پرزحمت وجود کا جائزہ لیا جائے اور سمجھداری وروشن خیالی کے ساتھ اور علم معرفت کی روشنی میں اس کا حل نکالنے کی کوشش کی جائے۔ دنیا میں جگہ جگہ اسلام اور مسلمانوں سے جو فرضی خوف کا ماحول (Islamophobia) بنا ہوا ہے، اسے رفع کرنے کے لیے اقدامات کیے جائیں۔ جدید عالمگیریت (Globalization) کے طوفانی اثرات کے معقول عالمانہ ردّعمل کا اسلامی دنیا میں فقدان ہے۔اس طرح یہ عقدہ کھلا کہ دنیا تیزی سے بدل رہی ہے لیکن شریعت کی روشنی میں اس بدلاؤ کی تصریح وتوضیح کے لیے ملّی قیادت کو زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ افسوس کہ یہ خلا پر کیا غیر مرغوب عناصر نے۔ نتیجہ رہا تشدد، دہشت گردی، ان دونوں کے خلاف جنگ، شکوک و شبہات، یکرخی تسوید (One sided profiling)، غصہ وغیرہ۔ لہٰذا مسلم قیادت کو غور کرکے ایسے طریقے نکالنے ہوں گے کہ دنیا میں مسلم اقلیتیں اکثریت کے ساتھ مکمل طور پر ہم آہنگی سے رہ سکیں اور ان کے لیے تعلیمی ادارے، مساجد اور قبرستان وغیرہ کی معقول بنیادی سہولتیں بھی مہیا ہوسکیں۔

نظریہ

دوم یہ کہ عراق، افغانستان اور شام میں اپنی انگلیاں جلا لینے کے بعد اب امریکہ اپنے آپ کو اقتصادی طور پر اتنا زیادہ مضبوط نہیں سمجھتا ہے کہ دنیا میں اندھا دھند اپنی مرضی چلا سکے۔ چین اور ہندوستان سے بھی اسے چیلنج ملنے لگا ہے۔ لہٰذا پوری دنیا پر کسی بھی ملک یا خطہ کی سیادت وغلبہ (Hegemony) کا سلسلہ جلد منقطع ہونے والا ہے۔ ملت اسلامیہ کو یہ نادر موقع ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہیے۔ سورہ روم میں اللہ تعالیٰ نے ماضی کے اسی طرح کے ایک اور موقع کا ذکر کیا ہے۔ سوم، الخوارزمی کی بنائی ہوئی الجبرا کی تکنیک پرانی ہوچکی ہے، اب آئی پیڈ (iPad) کا زمانہ ہے، آج کا مسلم نوجوان اسی پر کام کرے گا۔ دین اسلام کے پیغام کو سمجھنے کے لیے لسانی دقت کو دور کرنا بھی ضروری ہے۔ علماء، ائمہ، خطباء و اساتذہ کو جدید تکنیک سیکھنی ہوگی ورنہ خدانخواستہ ہماری نئی نسلیں دین کا اثر قبول کرنے سے محروم رہ سکتی ہیں۔

فرانس کی حکومت اور وہاں کا سماج مانتے ہیں کہ وہاں کے 80 لاکھ مسلمان اقلیت میں ہیں لیکن وہ ملک انھیں بڑی اقلیت ہونے کے واجب حقوق نہیں دے رہا ہے۔ جرمنی کہتا ہے کہ ایک ہی ملک میں متعدد ثقافتوں (Multiculturalism) کا دور ختم ہوچکا ہے۔ اُدھر ہمارے رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ اگر ملت کے ایک حصہ کو تکلیف ہو تو پوری امت کو اس پر تشویش ہونی چاہیے اور اس کے علاج کی متحدہ کوشش کی جانی چاہیے۔ لہٰذا ہمیں دنیا کو سمجھانا ہوگا کہ اسلام ایک نقل پذیر وترسیلی (Dynamic) مذہب ہے اور دلوں میں سرایت کرنے کا مادّہ اس کا اہم جزو ترکیبی (Component) ہے۔ ہم مغربی ممالک کی اس اقتصادی ضرورت سے بھی خوب واقف ہیں کہ تیسری دنیا سے اہل ہنر لوگ نقل وطن کرکے مستقل ان کے یہاں سکونت پذیر ہوتے رہیں، جس کی خاص مثال ہیں امریکہ و کناڈا۔ پھر بھی پورا مغرب اسلام سے بہت خوف زدہ ہے۔ کچھ کہتے ہیں کہ اسلام بنیادی طور پر وسعت آمیز مذہب ہے اور وہ خاموشی سے ان کے یہاں بس کر ان پر تسلط اختیار (Colonization) کر رہا ہے، اس لیے یہ ممالک بوکھلا کے عجیب طرح کی حرکتیں کر رہے ہیں۔ شریعت کو ایک اختلافی و بحث طلب اصطلاح کہا جانے لگا ہے۔ شیعہ وسنی کے معمولی فطری فرق کو بڑھا چڑھا کے پیش کیا جانے لگا ہے۔ فرانس اور برطانیہ میں مسلم شہریوں کی پانچویں نسلیں چل رہی ہیں لیکن اسلام کو اب بھی وہاں بیرونی مذہب کہا جاتا ہے۔ وہاں کی سیاسی جماعتیں اسلام کے خلاف بیان بازی کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کو مشغلہ بنائے رہتی ہیں۔ مغربی میڈیا کا رول تو لائق اعتراض ہے ہی۔ جب آئرلینڈ میں بم پھٹا جس کا مقصد تھا برطانوی فوجیوں کا قتل، اس کا ذکر میڈیا میں نا کے برابر آیا کیونکہ اس میں کسی مسلمان کا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔

ساتھ ہی ہم مسلمانوں کو بہتر قاصد بھی بننا ہوگا۔ حضور اقدسؐ رسول بننے سے قبل الامین تھے۔ ہمیں اس سے خاطر خواہ سبق لینا ہوگا۔ رسول کریمؐ نے مدینہ منورہ کے لیے جو آئین بنایا تھا، اس کی 47 دفعات میں سے 27 میں غیر مسلموں کے حقوق کا ذکر تھا۔ قرآن کریم کی آخری سورہ میں ناس کا لفظ (یعنی تمام انسانیت) پانچ دفعہ استعمال ہوا ہے، یہ بیحد اہم پیغام ہے۔ دنیا و ہندوستان کے علمائے کرام کو مذہب کے علاوہ مقاصد شریعت کی افادیت پسندی (Utilitarian approach) کی طرف بھی غور کرنا ہوگا۔ ہمیں اسلامی کردار اور اسلام کے آفاقی پیغام کے اظہار ونمائندگی کو غلط ہاتھوں سے واپس لے کر خود اس کی شایان شان بازیابی کرنی ہوگی۔ علم جدید وٹیکنالوجی کو مال غنیمت سمجھ کے اور اس کا استعمال کرکے ہمیں اپنی وہ ہزار برس قبل کھوئی ہوئی تحقیقی صفت پھر سے حاصل کرنی ہوگی اور اُس وقت کے جوش و ولولہ سے اپنے کو پھر سے جوڑنا ہوگا۔ ہمیں قرآن وحدیث کی روشنی میں بین المذاہب شراکت قائم کرنی ہوگی۔ ساتھ ہی افراد ملت کو مستقل ذاتی محنت ومشقت کے ذریعہ ملک ودنیا میں اپنا اور ملت کا اعلیٰ مقام پیدا کرنا ہوگا۔

info@zakatindia.org

February 06, 2020

دہلی میں بھرپور ووٹ: شاہین باغ کی آبرو

ڈاکٹر سید ظفر محمود

دہلی اسمبلی کے لیے ہونے والا الیکشن ملت کی بقا کے لیے بے انتہا اہم ہے، سیکولر طاقتوں کو اس میں بھاری مارجن سے جتوانا بہت ضروری ہے تاکہ ملک و دنیا میں صریح پیغام جائے کہ موجودہ ہندوستانی سماج فرقہ واریت کی مخالفت میں کھڑا ہے۔ ووٹنگ کرتے وقت خدا کے واسطے رشتہ داری، دوستی، کاروباری مفاد کو اس معاملہ میں بالائے طاق رکھ دیجیے، اگر ہم آپ نے ذرا بھی کوتاہی سے کام لیا تو خدانخواستہ حالات ناسازگار ہو سکتے ہیں۔

بینک میں جمع رقم کے واپس ملنے کی گارنٹی کو مضبوط کرنے کے لیے 1999 میں ریزرو بینک آف انڈیا نے سفارش کی تھی کہ جو بینک فیل ہونے لگیں، ان میں جمع رقم کے تحفظ کی ذمہ داری حکومت کے DICGC کارپوریشن کو دے دی جائے۔ اس سفارش کی آڑ میں اگست 2017 میں مرکزی حکومت نے پارلیمنٹ میں ایف آر ڈی آئی بل (Financial Resolution & Deposit Insurance-FRDI Bill) پیش کیا تھا جس کے مطابق بینک کے فیل ہونے کا نقصان اس میں رقم جمع کرنے والوں کو برداشت کرنا تھا، میڈیا میں واویلا ہوا اور پھر ایک برس کے اندر حکومت کو اس بل کو واپس لینا پڑا تھا۔ اب فروری 2020 کے دوران پارلیمنٹ کے موجودہ اجلاس میں اسے دوبارہ ایف ایس ڈی آر بل (Financial Sector Development Regulation & Resolution Bill-FSDR Bill) کے نام سے پیش کیا جا رہا ہے۔ آل انڈیا بینک آفیسرز ایسوسی ایشن کے سابق جنرل سکریٹری ٹامس فرینکو لے کے مطابق اس مجوزہ بل میں گنجائش رکھی گئی ہے کہ بینک میں ہماری آپ کی رقم پر لازم نہیں ہے کہ صرف ہمارا آپ کا ہی مالکانہ حق رہے بلکہ ضرورت پڑنے پر حکومت کے ذریعہ متعین کمیٹی اس رقم کا کچھ حصہ بینک کے مالک کو دے کر اسے خسارہ سے آزاد کر سکتی ہے: اس سلسلہ میں سماج کو کافی ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ ادھر مرکزی حکومت نے اعلان کیا ہے کہ 2020 کی مردم شماری کے ساتھ آبادی کے قومی رجسٹر یا این پی آر (National Population Register-NPR) کے لیے بھی عوام سے اعداد و شمار دریافت کر لیے جائیں گے اور یہ بھی کہا ہے کہ فی الحال شہریوں کا قومی رجسٹر یا این آر سی (National Register of Citizens-NRC) بنائے جانے کا ارادہ نہیں ہے۔ لیکن قوی خطرہ ہے کہ کچھ عرصہ بعد یہی حکومت فیصلہ کر دے کہ این پی آر کے لیے اور مردم شماری کے لیے جو اعداد و شمار جمع کیے گئے ہیں، انہی کی بنیاد پر یہ طے کر لیا جائے گا کہ کون شہری ہے اور کون نہیں ہے یا کس کی شہریت مشتبہ (Doubtful) ہے۔

لہٰذا افراد ملت کی سمجھداری اس میں ہے کہ ابھی دوڑ بھاگ کر کے شہریت سے متعلق اپنے دستاویز صحیح کر لیں اور اپنے پاس سنبھال کے رکھ لیں لیکن غلطی سے بھی مردم شماری یا این پی آر کے کاموں پر تعینات کسی سرکاری نمائندہ کو نہ دیں، اب تک کے ملک گیر احتجاجوں کی وجہ سے حکومت نے زبانی اور تحریری طور پر صفائی دی ہے کہ مردم شماری اور این پی آر کے لیے گھروں پر آنے والے سرکاری نمائندے کوئی کاغذ نہیں مانگیں گے۔ ہاں ان کے سوالوں کے زبانی جوابات آپ دے دیں اور جو کچھ انھوں نے آپ سے متعلق اپنے پاس لکھا ہے، اس کی نقل ان کے واپس جانے سے قبل ضرور آپ حاصل کر لیں، بلکہ ان کو بہلا پھسلا کے ان سے اس نقل پر دستخط کروا کے مہر لگوا لیں۔ اس کے علاوہ پرشانت بھوشن ایڈووکیٹ کی تجویز معقول ہے کہ ہر شخص پہلے سے اپنا ایک حلف نامہ یا افیڈیوٹ بنوا کے اس کی نوٹری سے تصدیق کروا کے (Notarised Affidavit) اپنے پاس رکھ لے، اس میں صرف اتنا لکھا ہو کہ میں فلاں سال (وہ حد فاصل سال جس کا ذکر حکومت شہریت سے متعلق اپنے حکم نامہ میں کرے) سے قبل ہندوستان میں پیدا ہوا تھا، میرے والد اور والدہ ہندوستان میں پیدا ہوئے تھے اور انھیں کبھی کسی حکومت نے غیر ملکی قرار نہیں دیا، اس افیڈیوٹ کی معیاری تحریر ایڈووکیٹ صاحبان مل کے اتفاق رائے سے تیار کر لیں۔ یہ افیڈیوٹ مردم شماری کے وقت گھروں پر آنے والے سرکاری نمائندہ کے حوالہ کر دیا جائے اور اس کی فوٹو کاپی پر اس نمائندہ کے دستخط کروا کے مہر لگوا لی جائے۔ دوسری جانب جن صوبوں میں فی الوقت سیکولر حکومت ہے (مثلاً چھتیس گڑھ، مدھیہ پردیش، راجستھان، جھارکھنڈ، تلنگانہ، کیرالہ، مغربی بنگال، مہاراشٹرا) وہاں حکومت کی طرف سے یہ اعلان ہونا ضروری ہے کہ مردم شماری کے کام میں تعاون کے لیے صوبائی سرکار کے افسر و نمائندے حاضر رہیں لیکن این پی آر کا کام ان کے افسر نہیں کریں گے۔ انھیں اپنے صوبائی افسروں کو یہ بھی احکامات دینے ہوں گے کہ مردم شماری پر تعینات ان کے نمائندے لوگوں کے ذریعہ دیے گئے افیڈیوٹ کو تسلیم کر کے سرکاری ریکارڈ پر ان کا معقول اندراج کر کے اس کی اطلاع مرکزی حکومت تک پہنچا دیں۔ یہ صوبائی حکومتیں سہارا لے سکتی ہیں 1995 کے لال بابو حسین مقدمہ میں سپریم کورٹ کے فیصلہ کا، ہاں ان صوبائی حکومتوں کو یہ دھیان رکھنا ہوگا کہ مرکز کے ساتھ یہ جزوی عدم تعاون اسی حد تک ہو کہ کہیں مرکزی حکومت انھیں کسی دستوری خلاف ورزی کے الزام میں برخاست نہ کر دے۔ ساتھ ہی کیرالہ اور مغربی بنگال کی طرز پر دیگر سیکولر سیاسی جماعتوں کو ضرور این پی آر کے بائیکاٹ کا اعلان کرنا ہوگا اور ملک میں جو احتجاجات ہو رہے ہیں، ان کے منتظمین کو کوشش کر کے اپنے ساتھ ہر مذہب کے افراد اور شیڈیولڈ کاسٹ کے لوگوں کو بڑی تعداد میں جوڑنا ہوگا۔

نظریہ

دریں اثنا آنے والے سنیچر کو دہلی اسمبلی کے لیے ہونے والا الیکشن ملت کی بقا کے لیے بے انتہا اہم ہے، سیکولر طاقتوں کو اس میں بھاری مارجن سے جتوانا بہت ضروری ہے تاکہ ملک و دنیا میں صریح پیغام جائے کہ موجودہ ہندوستانی سماج فرقہ واریت کی مخالفت میں کھڑا ہے۔ جب آپ یہ مضمون پڑھیں تبھی اپنے موبائل فون میں ہی الیکشن کمیشن کی ویب سائٹ nvsp.in پر جا کر Search in electoral roll میں چک کر لیجیے کہ آپ کا نام ووٹر لسٹ سے خارج تو نہیں کر دیا گیا ہے، اگر ایسا ہوا ہے تو فوراً اپنا نام واپس ڈلوانے کے لیے کارروائی کیجیے۔ دوسری اپیل یہ ہے کہ محلّہ میں گھر گھر جا کر پروگرام بنا کر یقینی بنائیے کہ ملت کا ہر فرد 8 فروری کو ووٹ ڈالنے ضرور جائے، اس دن کی تیاری ایسے کیجیے جیسے عید کے دن کے لیے کی جاتی ہے۔ اگر آپ یہ مضمون پڑھ سکتے ہیں تو یہ مان لیجیے کہ اللہ نے ہزاروں کے مقابلہ میں آپ کو زیادہ لیاقت دی ہے، لہٰذا اس نے ان کے تئیں آپ کی ذمہ داری بھی بڑھا دی ہے۔ یہ چیک کرنا کہ ووٹر لسٹ سے نام ہٹا تو نہیں دیا گیا یہ کام دیگر درجنوں افراد کے لیے آپ کو ہی کرنا ہے یعنی ان کے لیے جو اس مضمون کو پڑھنے کے اہلیت نہیں رکھتے ہیں۔ ان سبھی کو اور اپنے تمام رشتہ داروں، محلّہ والوں کو اپنے ساتھ لے کر پولنگ بوتھ جائیے۔ تیسرا اہم ایشو ہے کہ دہلی میں کس کو ووٹ دیا جائے۔ خدا کے واسطے رشتہ داری، دوستی، کاروباری مفاد کو اس معاملہ میں بالائے طاق رکھ دیجیے، اگر ہم آپ نے ذرا بھی کوتاہی سے کام لیا تو خدانخواستہ حالات ناسازگار ہو سکتے ہیں۔ گزشتہ اسمبلی، لوک سبھا اور ایم سی ڈی انتخابات کے نتائج اٹھا کر دیکھ لیجیے کوئی تیسری پارٹی کہیں نہیں ٹھہرتی ہے، یقیناً دیگر پارٹیوں کی کئی صوبوں میں اور لوک سبھا میں اچھی کارکردگی ہے لیکن اس وقت فروری 2020 کے اسمبلی الیکشن میں انھیں ووٹ دینا اپنا ووٹ ضائع کرنا ہے اور فرقہ واریت کو شہ دینا ہے۔ لہٰذا پوری ملت کو متحد ہو کر ووٹ دینا چاہیے، تاکہ ووٹوں کی تقسیم کا خسارہ نہ اٹھانا پڑا۔ یہی ہمارا جواب ہوگا شاہین باغ کو شاطرانہ طور پر نشانہ بنانے والوں کو۔ بقول علامہ اقبال:

اٹھ کہ ظلمت ہوئی پیدا افق خاور سے
بزم میں شعلہ نوائی سے اجالا کر دیں
اہل محفل کو دکھا دیں اثر صیقل عشق
سنگ امروز کو آئینہ فردا کر دیں

info@zakatindia.org

سورۂ العنکبوت سے سبق حاصل کریں

ڈاکٹر سید ظفر محمود

نظریہ

موجودہ زمانہ کے بین الاقوامی حقوق انسانی قانون کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ انفرادی فلاح کو اس قانون کا مقصد تسلیم کرتا ہے نہ کہ ملکی فلاح کو۔ ماضی قریب کا عالمی قانون ملکوں کے مابین تعلقات پر مبنی ہوتا تھا۔ تب بین الاقوامی معاہدے اس بنیاد پر ہوتے تھے کہ ملکوں کو مکمل حق ہے کہ وہ جیسا چاہیں اندرون ملک برتاؤ کر سکتے ہیں۔ مطلق و غیر مشروط ملکی خودمختاری و حاکمیت کا یہ تصور بیسویں صدی میں عالمی انسان دوست مداخلت کی بنا پر تبدیل ہو گیا تھا۔ بعد ازاں 1919 میں مزدوری سے متعلق معیاروں کی ارتقا کے بموجب بین الاقوامی مزدوری دفتر (International Labor Office) قائم ہوا۔ پھر 1926 میں جمعیت اقوام (League of Nations) کے ذریعہ دنیا سے غلامی ختم کرنے کے لیے ایسے پہلے بین الاقوامی معاہدہ (Slavery Convention) پر دستخط ہوئے جس کی بنیاد حقوق انسانی تھی۔ اقوام متحدہ کے ذریعہ پاس شدہ 1948 کا عالمی اعلامیہ برائے حقوق انسانی اپنی نوعیت کا پہلا بین الاقوامی دستاویز تھا اور اب اس کو ایسے قانون کا درجہ حاصل ہے جو بنیاد بنا ہوا ہے ممالک کے درمیان حقوق انسانی صلح ناموں، منصوبوں و ہدایات کی۔ اس طور پر گزشتہ ایک صدی میں بین الاقوامی حقوق انسانی قانون کی تشکیل و استحکام کی وجہ سے ملکی اقتدار کی حدود پر اس کا اثر پڑا ہے۔ تمام ممالک نے حقوق انسانی کے عالمی اعلامیہ و اسی طرح کے دیگر بین الاقوامی معاہدوں پر دستخط کر رکھے ہیں اور ان کی بنیاد پر سبھی ملک عالمی تنظیموں کو سال بہ سال اپنی اندرونی رپورٹ بھیجتے رہتے ہیں۔ اس طرح سب ممالک یہ مانتے ہیں کہ اندرون ملک ان کا برتاؤ مکمل طور پر ان کا اندرونی معاملہ نہیں ہے بلکہ اس کی بین الاقوامی چھان بین ہو سکتی ہے۔ حقوق انسانی کا ایک اہم اصول ہے عدم تعصب۔ ہاں عالمی سماج تفریق و امتیاز سے یقیناً خالی نہیں ہے لیکن زیادہ تشویش کا ایشو ہوتا ہے ادارہ ساز تعصب، اسی لیے افریقہ میں رائج رنگ کی بنیاد پر نسلی تعصب کو جرم قرار دیا گیا تھا۔ مشہور وکیل و اقوام متحدہ کے سابق ڈائریکٹر برائے قیام امن رویندرن ڈینیل کے مطابق زد پذیر گروپوں کے تحفظ کے لیے جمہوری ممالک میں عدلیہ، میڈیا اور سول سوسائٹی کا رول اہم ہوتا ہے لیکن اس کا مکمل حق تبھی ادا ہوتا ہے جب ان کے وجود پر بھاؤ نہ ہو۔

علاوہ ازیں قرآن کریم کی مکی سورہ العنکبوت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ زندگی میں ایسے لمحے بھی آتے ہیں جب انسان کو سخت آزمائش سے گزرنا ہوتا ہے، جس کی شروعات میں راہ مستقیم پر چلنے والے لوگوں کا مذاق اڑایا جاتا ہے، ان کا اقتصادی بائیکاٹ کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا اہل ایمان نے سمجھ رکھا ہے کہ ان کا سخت امتحان نہیں لیا جائے گا اور یہ بتایا کہ تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں، ان کا بھی امتحان لیا گیا تھا۔ قرآن کریم میں یہاں لفظ فتنہ استعمال کیا گیا ہے، جس کے معنی ہیں سونے کے اندر کی آلودگی کو نکال کر اسے صاف کرنے کے لیے اسے دہکتی ہوئی آگ میں سے گزارنا۔ اسی طرح مومن کے اندر اس کے ایمان کی دولت میں اگر آلودگی سما گئی ہو تو اسے حضرت خباب ابن الارتؓ کی طرح اندر سے صاف کرنے کے لیے سخت صعوبتوں کی شکل میں دنیاوی امتحانوں سے گزرنا ہوتا ہے۔ دنیا میں مختلف مقامات کے حالات کے مطابق وہاں مختلف قسم کے فتنے پیش آتے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ حالات حاضرہ پر غور کر کے انھیں بخوبی سمجھ لیا جائے۔ اجڑے ہوئے باغ کو دوبارہ پیدا کرنا ہوگا۔ دین کی اشاعت مصنوعی طور پر نہیں کی جا سکتی ہے۔ افراد میں سرمایہ کاری کرنی ہوگی، فرد کی تعمیر تو کرنی ہوگی۔ عربی زبان سیکھنے سے افراد کتاب اللہ سے سیدھے جڑ سکتے ہیں۔ جو لوگ زبان سیکھ چکے ان کی ڈیوٹی ہے کہ اس کا فائدہ دوسروں تک پہنچائیں۔ دین کا علم جنھیں ہو ان کو اصل دین دوسروں تک پہنچانا ہوگا۔ آج کل انٹرنیٹ کے زمانہ میں اسلام کی غلط تصویر پیش کی جا رہی ہے، لیکن صحیح اسلام پیش کرنے کے لیے انٹرنیٹ پر پوری کوشش نہیں ہو رہی ہے۔ نماز جمعہ کی دونوں رکعتوں میں پڑھی جانے والی آیات کا مفہوم قبل نماز خطبہ میں بیان کیا جانا چاہیے۔ خطبہ عموماً سورہ نحل کی آیت 90 پر ختم ہوتا ہے، جس کے بارے میں مفسرین کا خیال ہے کہ اگر پورا قرآن کریم نہ نازل ہوتا بلکہ صرف یہی آیت اتری ہوتی تو بھی اللہ کے پیغام کا ڈھانچہ مکمل ہوتا۔ لیکن ہمارے ملک عزیز کے نمازیوں میں 90 فیصد سے زیادہ لوگوں کو معلوم نہیں ہو پاتا ہے کہ اس قرآنی آیت میں اللہ نے کیا پیغام دیا ہے۔ مسلمانوں کی اندرونی فرقہ واریت کو ختم کرنے کی کوششیں کرنی ہوں گی۔ ہمیں اپنے تعلیمی اداروں پر مستقل نظر ثانی کرتے رہنا ہوگا اس غرض سے کہ ہم اپنے اس بے لوث کام کو مزید بہتر بنا سکیں۔

> **قرآن کریم کی مکی سورہ العنکبوت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ زندگی میں ایسے لمحے بھی آتے ہیں جب انسان کو سخت آزمائش سے گزرنا ہوتا ہے، جس کی شروعات میں راہ مستقیم پر چلنے والے لوگوں کا مذاق اڑایا جاتا ہے، ان کا اقتصادی بائیکاٹ کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا اہل ایمان نے سمجھ رکھا ہے کہ ان کا سخت امتحان نہیں لیا جائے گا اور یہ بتایا کہ تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں، ان کا بھی امتحان لیا گیا تھا۔**

یوپی کے صوبائی و ضلع سطح کے سرکاری دفتروں اور ہائی کورٹ و ضلع عدالتوں میں جو آسامیاں خالی ہوتی ہیں، انھیں پر کرنے کے لیے یوپی پبلک سروس کمیشن، یوپی اسٹاف سلیکشن بورڈ اور ہائی کورٹ کے ذریعہ جو مقابلہ جاتی امتحانات منعقد کیے جاتے ہیں، ان میں حصہ لینے کے لیے مسلم نوجوانوں کو نہ تو معلومات ہے اور نہ ترغیب، اکابر ملت بھی اس طرف سے غافل ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر امتحانوں میں حصہ لینے کے لیے بارہواں درجہ پاس ہونا کافی ہے اور چند کے لیے گریجویٹ ہونا۔ زیادہ تر آسامیاں تحریری امتحانات میں حاصل شدہ میرٹ کی بنیاد پر بھر دی جاتی ہیں یعنی کہ بغیر انٹرویو کے، لہٰذا تعصب کی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن جب ہمارے نوجوان آگے بڑھ کے امتحانوں میں حصہ لیں گے تبھی تو حکومت و عدالت میں ملی نمائندگی کو فروغ ملے گا۔ امید ہے کہ دیگر صوبوں میں بھی انسان دوست خواتین و حضرات اس اہم ایشو پر توجہ فرمائیں گے۔ صوبائی پبلک سروس کمیشن، اسٹاف سلیکشن بورڈ اور ہائی کورٹ کی ویب سائٹوں پر جائیے اور سرکاری دفتروں و عدالتوں میں آسامیاں پر کرنے کے انتظامات و امتحانات کے بارے میں معلومات حاصل کر لیجیے، اگر ممکن ہو تو صوبائی حکومت سے سبکدوش افراد سے رجوع کر لیجیے، ملی تعلیمی اداروں میں پہنچ کے وہاں طلبا سے گفتگو کیجیے اور اپنے صوبہ میں کوچنگ شروع کروا دیجیے۔ ساتھ ہی حکومت ہند کی وزارتوں و سرکاری دفتروں میں آسامیاں بھرنے والی تنظیم مرکزی اسٹاف سلیکشن کمیشن کی ویب سائٹ پر جا کر وہاں سے بھی ضروری معلومات حاصل کیجیے اور اس کی کوچنگ کی شروعات بھی کر دیجیے۔ یہی طویل مدتی سبق لینے چاہئیں ہمیں اپنے ملک عزیز کے موجودہ حالات سے۔

info@zakatindia.org

Rashtriya Sahara Aug 29, 2020

تعلیمی پالیسی میں اردو، کشمیری وعربی کا ذکر شامل کیا جائے

ڈاکٹر سید ظفر محمود

تجزیہ

قومی تعلیمی پالیسی 2020 کے باب 22.18 کے مطابق دستور ہند کے آٹھویں شیڈیول میں درج تمام 22 ہندوستانی زبانوں میں سے ہر ایک کے لیے ریاستوں کے مشورہ و تعاون سے مرکزی حکومت اکیڈمیاں قائم کرے گی جہاں قابل ترین اسکالرمل کے طے کریں گے کہ تازہ ترین تصورات کے لیے سادہ لیکن صحیح ذخیرہ الفاظ (Vocabulary) کیا ہونا چاہیے، یہ اکیڈمیاں مستقل نئی لغات بھی جاری کرتی رہیں گی۔ ویب و پورٹل کے ذریعہ ہندوستان کی سبھی زبانوں اور ان سے منسلک فنون لطیفہ و ثقافت کی تحریری شہادت کی فراہمی (Documentation) کو یقینی بنایا جائے گا۔ ان پلیٹ فارموں پر معتبر و مستند لوگوں کی آواز میں قصہ کہانی، شاعری وتقریر، ڈراموں، لوک گیت و رقص کی ویڈیو و ریکارڈنگ کے ذریعہ زبان کے صحیح تلفظ و ادراک پر توجہ دی جائے گی اور ان پروجیکٹوں کی کامیابی کے لیے یونیورسٹیوں کی بھی مدد لی جائے گی۔ زبانوں کے تحفظ سے متعلق ان کاوشوں اور منسلکہ تحقیق کے لیے تعلیمی اداروں میں شعبہ جات تاریخ، آثار قدیمہ ولسانیات کے تحت قومی تحقیقی وظیفہ کی شکل میں امداد مہیا کی جائے گی۔ ہندوستانی زبانوں اور ان سے متعلق فنون لطیفہ وثقافت کے مطالعہ کے لیے نئے وظیفے بغیر عمر کی قید کے جاری کیے جائیں گے۔ مختلف زبانوں میں اعلیٰ درجہ کی شاعری، ناول نگاری، نصابی کتابوں کی تصنیف اور صحافت کے لیے لوگوں کو انعام واکرام سے نوازا جائے گا۔

دراصل 2019 میں جاری کیے گئے مسودہ سے تجاوز کرتے ہوئے اب 2020 کی اس تعلیمی پالیسی کے پیرا 4.11 سے 4.22 کو ذیلی سرخی 'کثیر اللسانیت و طاقت زبان' (Mutilingualism and Power of Language) کے تحت جمع کر کے ہندوستانی وغیر ملکی زبانوں کی تعلیم وتدریس سے متعلق نسخہ نویسی کی گئی ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ چھوٹے بچے غیر معمولی تصورات کو اپنی مادری زبان یا گھریلو زبان (Home language / mother tongue) میں زیادہ تیزی میں سیکھ کر ذہن نشین کر لیتے ہیں۔ سبھی سرکاری و پرائیویٹ اسکولوں میں جہاں تک ممکن ہو مادری زبان، گھریلو زبان، مقامی زبان یا علاقائی زبان کو کم از کم پانچویں درجہ تک ورنہ بہتر ہے کہ آٹھویں درجہ یا اس سے بھی آگے تک ذریعہ تعلیم (Medium of instruction) بنایا جائے گا۔ سبھی مضامین کی اعلیٰ درجہ کی نصابی کتابیں گھریلو یا مادری زبان میں مہیا کی جائیں گی، ہاں سائنس وحساب کی کتابوں میں انگریزی کے الفاظ بھی استعمال کیے جائیں گے۔ مرکزی و صوبائی حکومتوں کی ذمہ داری ہوگی کہ دستور ہند کے آٹھویں شیڈیول میں درج زبانوں و بھی علاقائی لسانی ٹیچروں کے لیے ضروری مالی منظوری دی جائے۔ سہ لسانی فارمولے میں سے دو زبانیں ہندوستانی ہونی چاہئیں۔ چھٹی سے آٹھویں جماعتوں کے لیے لسانی تہوار کا انعقاد کیا جائے گا۔

ہندوستان کی ٹکسالی زبانوں (Classical Languages) کو ان کے ادب کا ذکر کرتے ہوئے نئی تعلیمی پالیسی نے یاد دلایا ہے کہ سنسکرت آٹھویں شیڈیول میں درج ہے، اس کا ادب لاطینی و یونانی زبانوں کے مجموعہ سے زیادہ ضخیم ہے، اس میں ریاضی، فلسفہ، قواعد، موسیقی، سیاسیات، طب، فن تعمیر، دھات کاری، ڈراما، شاعری وقصہ گوئی کے خزانے موجود ہیں۔ لہٰذا سنسکرت کو مع سہ لسانی فارمولہ کے اسکول و کالج کی ہر سطح پر اختیاری مضمون کے طور پر پیش کیا جائے گا۔ نئی تعلیمی پالیسی کے مطابق سنسکرت کے علاوہ دیگر ٹکسالی زبانوں میں بھی زرخیز ادب موجود ہے جن میں شامل ہیں تمل، تیلگو، کنڑ، ملیالم اور اڈیا۔ ان کے علاوہ پالی، فارسی اور پرکرت کا بھی ذکر ہے جن کے ادب کو آنے والی نسلوں کے استفادہ کے لیے محفوظ رکھنا پالیسی کے مطابق ضروری ہے۔ پالیسی میں درج ہے کہ ان زبانوں کے علاوہ ان سبھی ہندوستانی زبانوں کے لیے بھی اسی طرح کے اقدامات کیے جائیں گے جن میں قابل قدر زبانی یا تحریری علم وادب اور ثقافتی روایتیں موجود ہیں۔ ملک کے تمام سرکاری و پرائیویٹ اسکولوں میں سہولت رہے گی کہ مندرجہ بالا ٹکسالی زبانوں میں سے کم از کم دو زبانوں اور ان سے متعلق ادب کو چھٹی سے بارہویں جماعت کے طلبا پڑھ سکیں۔ اس کے علاوہ ان جماعتوں کے لیے جو غیر ملکی زبانیں پڑھنے کا موقع دیا جائے گا ان میں شامل ہیں کوریائی، جاپانی، فرانسیسی، جرمن، اسپینش، پرتگالی اور روسی تاکہ ہندوستانی طلبا و طالبات عالمی ثقافت کے بارے میں علم حاصل کر سکیں اور انھیں اپنی پسند اور امنگوں کے مطابق خطہ ارض پر نقل وحرکت میں مدد ملے۔

یہاں یہ غور کرنے کی ضرورت ہے کہ ہندوستانی و غیر ملکی زبانوں میں سے جن کا نام قومی تعلیمی پالیسی میں نہیں ہے ان میں اردو، کشمیری اور عربی سر فہرست ہیں۔ یاد رہے کہ کشمیریوں کی بول چال کی زبان کشمیری ہے جبکہ اس کا رسم الخط اردو ہے اور 5 اگست 2019 تک جموں و کشمیر کی سرکاری زبان اردو تھی جس کی تجدیدی کارروائی ہونا ابھی باقی ہے۔ ان کے علاوہ آسامی، بنگالی، گجراتی، منی پوری، مراٹھی اور پنجابی بھی تعلیمی پالیسی سے غائب ہیں، حالانکہ عربی کے علاوہ یہ سبھی زبانیں آٹھویں شیڈیول میں مندرج ہیں۔ یہ بھی ایشو قابل تحقیق ہے کہ جن زبانوں کا نام پالیسی میں درج ہے ان کے انتخاب کے لیے کیا پیمانے اپنائے گئے اور پالیسی میں جن زبانوں کو ٹکسالی کہہ دیا گیا، اس کی کیا بنیاد ہے۔ فروری 2014 میں راجیہ سبھا میں وزیر ثقافت نے بتایا تھا کہ کسی زبان کو ٹکسالی قرار دینے کے لیے اس کے شروعاتی مکتوبات کی عمر 1500 سے 2000 برس یا اس سے بھی پرانے ہونے چاہئیں اور اس کے قدیم ادبی مواد کو نسل در نسل مقرر و مصنف قیمتی ورثہ کے طور پر تسلیم کرتے رہے ہوں۔ لیکن ہمارا ملک تو جمہوری ہے، یہاں تو جو پالیسی بنے اس میں لحاظ یہ رکھنا ہے کہ کون سی زبانیں کتنے لوگ بولتے ہیں۔ دستور ہند کی دفعہ 347 کے مطابق کسی بھی صوبہ کے لوگوں کی ایک مستحکم تعداد اگر چاہتی ہے کہ اس کے ذریعہ بولی جانے والی زبان کو صوبائی حکومت سرکاری زبان کے طور پر تسلیم کرلے اور اس کی خاطر خواہ قدر افزائی کرے تو صدر جمہوریہ احکام جاری کریں گے کہ اس زبان کو پورے صوبہ میں یا صوبہ کے ایک حصہ میں سرکاری زبان کی حیثیت دی جائے۔ دفعہ 350 ہر شہری کو اجازت دیتی ہے کہ وہ اپنی کسی بھی شکایت کے ازالہ کے لیے درخواست کسی بھی حاکم کو کسی بھی تسلیم شدہ زبان میں دے سکتا ہے۔ دفعہ 350A تاکید کرتی ہے کہ ہر صوبائی حکومت اور ہر مقامی دفتر (جیسے میونسپل بورڈ، کارپوریشن، ضلع بورڈ، تعلقہ بورڈ، پنچایت سمیتی، گرام پنچایت) پوری کوشش کریں گے کہ بچوں کو پرائمری سطح کی تعلیم اس اقلیت کی مادری زبان میں دینے کے لیے تمام ضروری سہولتیں مہیا کریں اور اس معاملہ میں صدر جمہوریہ کسی بھی صوبائی حکومت کو ضروری احکامات جاری کر سکتے ہیں۔ مردم شماری 2011 کے اعداد وشمار کے مطابق حساب لگایا جائے تو جموں و کشمیر میں اردو کے لوگ 75 لاکھ ہیں، یو پی میں 3 کروڑ 85 لاکھ، بہار میں ایک کروڑ 75 لاکھ، مغربی بنگال میں 75 لاکھ، مہاراشٹر میں 40 لاکھ، مدھیہ پردیش میں 40 لاکھ، جھارکھنڈ میں 30 لاکھ اور دہلی میں 20 لاکھ۔ ان اعداد کا موازنہ دیگر صوبوں کی کل آبادی سے کر لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ملک عزیز میں ہندی کے بعد سب سے زیادہ بولی جانے والی زبان اردو ہے۔ اسی طرح کے عددی تفوق کی بنا پر عربی اور چینی زبانیں اقوام متحدہ کی چھ زبانوں میں شامل کی گئی ہیں۔ ان حقائق کی بنیاد پر قومی تعلیمی پالیسی میں ترمیم کر کے اس میں تحریر شدہ قومی زبانوں کی فہرست میں اردوو کشمیری اور غیر ملکی زبانوں میں عربی کو شامل کیا جانا چاہیے۔

مردم شماری 2011 کے اعداد و شمار کے مطابق حساب لگایا جائے تو جموں و کشمیر میں اردو کے لوگ 75 لاکھ ہیں، یو پی میں 3 کروڑ 85 لاکھ، بہار میں ایک کروڑ 75 لاکھ، مغربی بنگال میں 75 لاکھ، مہاراشٹر میں 40 لاکھ، مدھیہ پردیش میں 40 لاکھ، جھارکھنڈ میں 30 لاکھ اور دہلی میں 20 لاکھ۔ ان اعداد کا موازنہ دیگر صوبوں کی کل آبادی سے کر لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ملک عزیز میں ہندی کے بعد سب سے زیادہ بولی جانے والی زبان اردو ہے۔ اسی طرح کے عددی تفوق کی بنا پر عربی اور چینی زبانیں اقوام متحدہ کی چھ زبانوں میں شامل کی گئی ہیں۔ ان حقائق کی بنیاد پر قومی تعلیمی پالیسی میں ترمیم کر کے اس میں تحریر شدہ قومی زبانوں کی فہرست میں اردوو کشمیری اور غیر ملکی زبانوں میں عربی کو شامل کیا جانا چاہیے۔

info@zakatindia.org

Rashtriya Sahara Sept 12, 2020

تعلیمی پالیسی 2020 کے اغراض ومقاصد

ڈاکٹر سید ظفر محمود

تجزیہ

قومی تعلیمی پالیسی کے مطابق تمام انسانی صلاحیتوں کے بہترین استعمال کے ذریعہ منصفانہ معاشرے کو فروغ دینے کے لیے تعلیم ایک بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ معیاری تعلیم تک عوامی رسائی ہندوستان کی مسلسل عروج کی کلید ہے۔ معاشی نمو، معاشرتی مساوات، سائنسی ترقی، قومی انضمام اور ثقافتی تحفظ کے حوالے سے عالمی سطح پر قیادت کے حصول کے لیے اعلیٰ معیاری تعلیم ہمارے ملک کی بھرپور صلاحیتوں اور ترقی کے وسائل کو آگے بڑھانے کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ توقع ہے کہ اگلی دہائی (2021 سے 2030) تک ہندوستان میں نوجوانوں کی آبادی دنیا میں سب سے زیادہ ہوگی اور انہیں اعلیٰ معیاری تعلیمی مواقع فراہم کرنے کی ہماری اہلیت ہمارے ملک کا مستقبل طے کرے گی۔ تعلیم کے عالمی ایجنڈے کا تعین اقوام متحدہ کے ذریعہ طے شدہ ترقی کے قابل تائید ہدف (Sustainable Development Goal) نمبر 4 میں کیا گیا ہے اور اسے ہمارے ملک نے 2015 میں اپنا لیا تھا۔ اس کے مطابق 2030 تک جامع اور مساوی معیاری تعلیم کو یقینی بنایا جانا ہے اور سب کے لیے عمر بھر تعلیم حاصل کرتے رہنے کے مواقع کو فروغ دینا ہے۔ اتنا بلند مقصد حاصل کرنے کے لیے کل نظام تعلیم کی تشکیل نو کی جانی ہے تاکہ 2030 کے اہداف (SDGs) کو حاصل کیا جا سکے۔

یہ حقیقت بھی قابل غور ہے کہ احاطہ علم کے عالمی منظر میں تیزی سے تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں، مختلف سائنسی اور تکنیکی ترقیات جیسے ضخیم اعداد وشمار کی فراہمی، مشینوں کے ذریعہ حصول تعلیم اور مصنوعی ذہانت (آرٹیفیشل انٹیلیجنس) وغیرہ کے مدنظر دنیا بھر میں زیادہ تر غیر ہنرمندانہ ملازمتوں پر مشینوں کا قبضہ ہوتا جا رہا ہے۔ دوسری طرف ہنر مند افرادی قوت (Skilled workforce) کی مانگ میں چوطرفہ اضافہ ہو رہا ہے خصوصاً ریاضی، کمپیوٹر و تجزیہ اعداد کے میدانوں میں اور اگر انھیں سائنس، سماجیات و مطالعہ نوع انسان کے مابین کثیر شعبہ جاتی لیاقت (Multidisciplinary abilities) سے جوڑ دیا جائے تو اس میں چار چاند لگ جاتے ہیں اور اس طرح کے افراد کی کھپت میں اضافہ ہوتا ہی رہنا ہے۔ آب وہوا میں تبدیلی، بڑھتی ہوئی آلودگی اور قدرتی وسائل کے تیزی سے گھٹتے ہوئے ذخیروں کی وجہ سے ہمیں توانائی، غذا، پانی، صفائی ستھرائی وغیرہ کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے نئے راستے تلاش کرنے ہوں گے جس کے نتیجے میں بھی نئے ہنر سے لیس افراد کی ضرورت ہوگی، خاص طور پر حیاتیات، کیمسٹری، طبیعات، زراعت، آب وہوا اور سماجی سائنس کے شعبوں سے فارغ التحصیل لوگوں کی۔ مقامی و عالمی سطح کے وبائی امراض کے خوفناک ظہور کی روشنی میں ان کی روک تھام، ویکسینوں کی تیاری اور نتیجتاً کثیر الجہت معاشرتی تناؤ سے نمٹنے کے مقصد سے عالمی اشتراک پر مشمول نئے تحقیقی پروجیکٹوں کی ضرورت پڑنے والی ہے۔ ساتھ ہی کیونکہ ہندوستان ایک ترقی یافتہ ملک بننے کے ساتھ ساتھ عالمی سطح پر تین بڑی معیشتوں میں شامل ہونے کی طرف رواں دواں ہے، لہٰذا مطالعہ نوع انسان و فنون لطیفہ کے شعبوں سے تعلیم یافتہ افراد کی مانگ بھی بڑھنے والی ہے۔

> **قومی تعلیمی پالیسی 2020 کا مقصد ہمارے ملک کے اکیسویں صدی میں بڑھتے ہوئے ترقیاتی تقاضوں کو پورا کرنا ھے۔ یہ پالیسی ہر فرد کی تخلیقی صلاحیتوں کی بالیدگی پر خصوصی زور دیتے ہوئے اس اصول پر مبنی ھے کہ تعلیم سے نہ صرف بنیادی خواندگی اور عدد شماری کی صلاحیت پیدا ھو بلکہ اس کے ساتھ ساتھ شعور و آگہی، مسائل حل کرنے کی صلاحیت اور معاشرتی، اخلاقی و جذباتی سرشت کی بھی نشوونما ہونی چاہیے۔**

روزگار اور عالمی ماحول میں اس طرح ہونے والے تیزی سے بدلاؤ کی وجہ سے یہ ضروری ہو گیا ہے کہ بچوں کو صرف تعلیم کے مواقع ہی فراہم نہیں کیے جائیں بلکہ انھیں علم حاصل کرنے کا طریقہ بھی سکھایا جائے۔ اس لیے تعلیمی نصاب میں اضافہ کے بجائے اس بات پر زیادہ زور دینے کی ضرورت ہے کہ بچوں میں ذہنی استعداد بڑھے اور ان کی اختراعی سوچ میں اضافہ ہو، مختلف مسائل کے مابین فطری تعامل کو پرکھنے کی اہلیت پیدا ہو، وہ نئی جانکاری حاصل کریں اور بدلتے ہوئے حالات میں اسے استعمال کر کے ایشوز کے حل نکالنے کی کوشش کریں۔ یہ بھی ضروری ہے کہ تدریسی کارکردگی لچکدار ہو اور جدت، تخلیق اور کثیر الضابطہ پر مبنی ہو، جامع انداز میں دیکھنے اور سمجھنے میں قابل بنانے والی ہو اور طلبا کے لیے تجرباتی، کلیت پر مبنی، مربوط، تفتیش آور، دریافت پذیر، پرلطف اور ان کی زندگی کے سبھی گوشوں اور صلاحیتوں کے یکساں تسلی بخش فروغ کی حامل ہو۔ اس کے لیے نصاب میں سائنس اور ریاضی کے علاوہ بنیادی فنون، دستکاری، کھیل کود اور صحت مندی، لسانیات، ادب وثقافت اور اقدار کو شامل کیا جائے۔ تعلیم سے شخصیت سازی ہونی چاہیے، طلبا میں اخلاقیات، ہمدردی و حساسیت پیدا ہونی چاہیے اور ساتھ ہی تعلیم ایسی بھی ہونی چاہیے کہ وہ طلبا کو روزگار کا اہل بنائے۔

تعلیم کے موجودہ و مطلوبہ انجام کے درمیان خلیج کو پر کرنے کی غرض سے تعلیمی نظام میں زبردست اصلاحی کارروائی ہونی چاہیے تاکہ سسٹم میں اعلیٰ ترین معیار، غیر جانبداریت اور دیانتداری جذب ہو جائے اور اس کا خاطر خواہ اثر ابتدائی اسکول سے اعلیٰ سطح تک سرایت کر جائے۔ ہمارا ہدف ایک ایسے تعلیمی نظام کا قیام ہونا چاہیے جس کے رہتے ہندوستان 2040 تک دنیا میں کسی بھی ملک سے پیچھے نہ رہ جائے اور جس میں اعلیٰ ترین تعلیمی لیاقت کے حصول تک ہر شہری کو برابر کی رسائی ملے اور اس روش میں کسی فرد کا سماجی یا اقتصادی پس منظر رکاوٹ نہ بنے۔ قومی تعلیمی پالیسی 2020 کا مقصد ہمارے ملک کے اکیسویں صدی میں بڑھتے ہوئے ترقیاتی تقاضوں کو پورا کرنا ہے۔ اس پالیسی کا مقصد ہے ایک ایسے نئے سسٹم کی تخلیق جو ہندوستان کی روایات وثقافتی اقدار کو برقرار رکھتے ہوئے اکیسویں صدی کی تعلیمی آرزوؤں سے موافقت رکھے جس میں اقوام متحدہ کے ایس ڈی جی بھی شامل ہیں، اس پروجیکٹ کی تکمیل کے لیے تعلیمی ڈھانچہ و اس سے متعلق انتظامیہ، ضابطہ و ہدایات کی تجدید کاری بھی مجوزہ ہے۔

یہ پالیسی ہر فرد کی تخلیقی صلاحیتوں کی بالیدگی پر خصوصی زور دیتے ہوئے اس اصول پر مبنی ہے کہ تعلیم سے نہ صرف بنیادی خواندگی اور عدد شماری کی صلاحیت پیدا ہو بلکہ اس کے ساتھ ساتھ شعور و آگہی، مسائل حل کرنے کی صلاحیت اور معاشرتی، اخلاقی و جذباتی سرشت کی بھی نشوونما ہونی چاہیے۔ قدیم ہندوستانی علم وفکر کی قیمتی وراثت اس پالیسی کے لیے مشعل راہ رہی ہے۔ ہندوستانی فلسفہ میں حصول علم وحکمت اور سچائی کو اعلیٰ مقصد انسانی مانا جاتا تھا۔ زمانہ قدیم میں حصول علم کا مقصد نہ صرف فرد کو تعلیم یافتہ بنانا ہوتا تھا بلکہ انسان میں خود اعتمادی وخود مختاری کے عناصر کو مسحور کرنا بھی اس میں شامل تھا۔ اساتذہ کے تذکرے میں پالیسی میں تحریر ہے کہ وہ اگلی نسل کی تشکیل کرتے ہیں، سماج میں سب سے زیادہ قابل احترام اور مایہ ناز اراکین کے طور ان کے معزز مقام کو بحال کر کے انھیں بااختیار بنایا جانا چاہیے تاکہ وہ اپنا کام موثر انداز میں کر سکیں۔ وعدہ کیا گیا ہے کہ تمام طلبا وطالبات کو معیاری تعلیم کے مواقع مہیا کیے جائیں گے، ہاں سماج میں حاشیہ پر مقیم، پسماندہ محرومین اور غیر متناسب نمائندگی والے گروپوں کی تعلیم پر خاص توجہ دی جائے گی۔ تعلیم سے قیام مساوات میں مدد ملتی ہے، سماج میں اقتصادی حرکت پذیری، شمولیت اور مساوات کے قیام کے لیے یہ بہترین آلہ ہے۔ لہٰذا تمام اقدامات کیے جائیں گے کہ مزاحمت کے باوجود ان گروپوں سے تعلق رکھنے والے سبھی طلبا وطالبات تعلیمی سسٹم میں داخل ہو جائیں اور وہاں انھیں کمال دکھانے کے مواقع بھی فراہم ہوں۔

info@zakatindia.org

Rashtriya Sahara Sept 29, 2020

ملی خود نگہداری کی کاوش میں چیلنجز

تجزیہ

ڈاکٹر سید ظفر محمود

> **جمہوری سماج میں عدالتی عمل کی اہمیت کو ملت خوب سمجھتی ہے اور یہ مانتی ہے کہ شخصی وقار اور اداروں کے اعتبار پر کسی عوامی پلیٹ فارم سے حملہ کرنے کی ناشائستہ حرکتوں کا نوٹس اگر نہیں لیا جائے گا تو یہ ملک اور سماج کے نظام کے لیے اچھا نہیں ہوگا، چنانچہ یقینا ملت اپنی اس ذمہ داری کو روبہ کار لانے کا عزم مصمم رکھتی ہے۔چینل کے نشریوں میں عوام کو بھکایا جارہا ہے کہ سول سروسز میں کامیابی کے ذریعہ 'بھارت پر قبضہ کرنے کی سازش ہے' حالانکہ اس طرح کے گمراہ کن بھکاوے سے ملت کا حوصلہ بلند تر ہوا ہے۔**

سرکاری روزگار اور خاص طور سے سول سروسز میں مسلمانوں کی نمائندگی بہت کم ہے، اس کا احساس حکومتوں کو اور سول سوسائٹی کو اب کچھ عرصہ سے ہو گیا ہے۔ گزشتہ صدی کی ساتویں دہائی تک ملت کے تعلیم یافتہ و قابل نوجوانوں میں اس کمی اور اس کے ازالہ کا احساس نہیں تھا۔ لوگ وکیل ڈاکٹر، لیکچرر بننے کو ہی معراج مانتے تھے۔ باسلیقہ محنت کر کے مقابلہ میں شرکت کے ذریعہ حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہونے کا رجحان و رواج نہیں تھا۔ پھر 1974 میں دہلی سے ایک وفد علی گڑھ گیا جس میں چودھری محمد عارف، چودھری طیب حسین، سید حامد، جنرل شاہ نواز وغیرہ شامل تھے، اللہ انہیں غریق رحمت کرے، پہلے سے وائس چانسلر کی مدد سے مختلف شعبوں کے قابل ترین پوسٹ گریجویٹ طلبا کو کینیڈی ہاؤس میں جمع کر کے ان سے طویل و مثبت تبادلہ خیال ہوا جس کے نتیجہ میں ہم طلبا میں جوش بھر گیا اور اس کے بعد کئی برس تک یو پی ایس سی کے سول سروسز نتائج میں ملت سرخرو ہوتی رہی۔ پھر 1990 کی دہائی میں سید حامد نے ہمدرد فاؤنڈیشن میں ادارہ ساز کام شروع کر کے سول سروسز میں ہر برس کل منتخب افسران کے ملک گیر شمار میں اضافہ کے باوجود مسلم فیصد کو 2.5 پر برقرار رکھا۔ 2006 میں جسٹس سچر کمیٹی کی رپورٹ شائع ہونے کے بعد پھر ملت کو اپنے اس فریضہ کا احساس ہوا، از سر نو محنت شروع ہوئی اور ملک میں کئی جگہ تعلیمی تنظیموں نے ان کوششوں کو فروغ دینے میں حصہ لیا۔ اب توجہ کمیٹی اور بعض ریاستوں کی سرکاری اردو اکیڈمیاں بھی اس کے لیے سرگرم ہو گئی ہیں۔ یہ ساری کوششیں مسلمانوں کو مایوسی اور الگ تھلگ پن سے نکالنے اور مین اسٹریم میں لانے کی قومی پالیسی اور سوچ کا حصہ ہیں اور جامع یعنی سبھی طبقات کی مشترک ترقی کے عمل کو آگے بڑھانے میں معاون ہیں۔ ترقی کے پنج سالہ منصوبوں میں بھی جامع ترقی کی فکر کے تحت اقلیتوں کی پسماندگی کو مدنظر رکھا جانے لگا ہے۔ اس ہمہ جہتی فکر اور ان کاوشوں کی بنا پر گزشتہ کچھ سالوں میں سول سروسز کے امتحان میں ملی شرکت کا تناسب بڑھا ہے اور اسی کی بدولت ان کی کامیابی کی شرح میں بھی کسی قدر اضافہ ہوا ہے۔ لیکن یہ ناخوشگوار حقیقت بھی عیاں ہے کہ ملک میں ایک طبقہ ہر میدان میں مسلمانوں کی حوصلہ شکنی کرتے رہنا چاہتا ہے اور ملک کے وسائل میں مسلمانوں کی حصہ داری کو تسلیم نہیں کر پاتا ہے۔

خوش آئند پہلو یہ ہے کہ یو پی ایس سی جیسے باوقار دستوری ادارے کو ایک ٹی وی چینل کے ذریعہ مبینہ سازش کا حصہ بتانے پر بہت سارے سابق نوکر شاہ بے چین ہوا ٹھے، چنانچہ اس پروگرام کے نشریہ پر پابندی کی مانگ کئی طرف سے اٹھنے لگی۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کی انتظامیہ اور طلبا نے بھی اس کا نوٹس لینے میں دیر نہیں لگائی اور حکومت و عدالت میں اس پر اعتراض داخل کر دیے۔ سپریم کورٹ نے 15 ستمبر کو اس پروگرام کے نشریہ پر پابندی لگادی اور اسے قابل اعتراض اور ایک فرقہ کو نشانہ بنانے والا پروگرام باور کراتے ہوئے چینل کو اس پروگرام کی آئندہ قسطیں نشر کرنے سے روک دیا۔ لیکن اس پابندی سے پہلے اس پروگرام کی چار قسطیں نشر ہو چکی تھیں جس پر میڈیا کے بڑے حلقے میں شدید تنقید ہوئی اور متعدد اہم افراد نے اسے سماج کو تقسیم کرنے والا پروگرام اور نفرت انگیزی پر مبنی پروپیگنڈا قرار دیا۔

اس قابل اعتراض پروگرام پر روک لگاتے ہوئے سپریم کورٹ نے ایک طرف تو چینل کو یہ تاکید کی کہ وہ بتائے کہ اس پروگرام کو قابل نشر بنانے کے لیے وہ اس کی مشمولات اور اس کی نہج و انداز بیان میں کیا تبدیلی کر سکتا ہے اور دوسری طرف حکومت کو یہ بتانے کے لیے کہا کہ میڈیا کے ذریعہ نفرت انگیزی کو روکنے کے لیے اس کے پاس کیا نظام ہے؟ اس کے جواب میں ٹی وی چینل کی طرف سے جو حلف نامہ داخل کیا گیا ہے، قانون دانوں کی نظر میں وہ بے حد ناکافی ہے اور ان کے خیال میں اس پر عدالت کا فیصلہ آئندہ کے لیے ایک اہم نظیر قائم کرنے والا ہو سکتا ہے۔ البتہ حکومت کے وکیل نے 23 ستمبر کو سماعت کی شروعات میں ہی عدالت کو بتایا کہ حکومت نے چینل کے پروگرام کو کیبل ٹی وی نیٹ ورک ریگولیشن ایکٹ کی دفعہ (3)20 کی رو سے ضابطہ کے خلاف پایا ہے اور چینل کو وجہ بتاؤ نوٹس جاری کر دیا ہے، 28 ستمبر تک چینل کو جواب دینا ہے، اطمینان بخش جواب نہ ملنے کی شکل میں حکومت اس پروگرام پر روک لگا سکتی ہے۔ تب تک کے لیے حکومت کے سالیسٹر جنرل نے عدالت سے مزید سنوائی موخر کرنے کی درخواست کی جسے عدالت نے قبول کر لیا اور اب 5 اکتوبر کو اس معاملہ کی آگے سماعت ہوگی، تب تک کے لیے پروگرام کے نشریہ پر عدالتی پابندی جاری رہے گی۔ اس دوران زیڈ ایف آئی نے اس مقدمہ میں فریق بننے کی درخواست عدالت سے کی جسے عدالت نے قبول کر لیا اور تنظیم کو اپنا موقف رکھنے کی اجازت دی ہے۔ تنظیم اس مقدمے میں اس لیے فریق بننا چاہتی ہے کہ چینل کی طرف سے عدالت میں اس کے خلاف سول سروس کوچنگ پروگرام کے حوالے سے اس کی منشا پر سوال اٹھائے گئے ہیں اور اس تنظیم کے سلسلے میں بے بنیاد الزام تراشی کی گئی ہے۔ دریں اثنا ٹی وی پروگرام کی جو چار قسطیں نشر ہوئی ہیں، اس کی آخری دو قسطیں تنظیم کے نام کے ذریعہ ملت کو بدنام کرنے والی فرضی باتوں پر مبنی ہیں۔ اس لیے اس معاملے میں عدالتی اور قانونی چارہ جوئی کرنا ناگزیر ہو گیا ہے۔ فریقین کی طرف سے کئی دیگر مداخلتی عرضداشت داخل ہوئی ہیں۔

یاد رہے کہ ٹی وی چینل کی طرف سے کسی شخص نے 26 اگست کو زیڈ ایف آئی کے دفتر کو فون کیا اور تنظیم کا انٹرویو لینے کی خواہش ظاہر کی جس کے جواب میں دفتر نے چینل سے گزارش کی کہ وہ اپنے سوالات ای میل کر دے، لیکن چینل نے کوئی سوال نامہ نہیں بھیجا، غیر سنجیدہ ٹی وی کے متعصب ماحول میں موجود رہنا معیاری تنظیموں کے شایان شان بھی نہیں ہے۔ قومی سلامتی اور ملکی مفاد سے متعلق اگر کوئی اہم معلومات کسی کے پاس موجود ہو تو اس کا قومی فریضہ ہے کہ ان معلومات سے حکومت کے متعلقہ افسران کو فوری طور پر واقف کرائے، نہ کہ اس کا بیجا استعمال کر کے ایک فرقہ کے خلاف ٹی وی پر ماحول بنایا جائے اور سول سروسز کوچنگ کے لیے فنڈنگ کو مشکوک کہنے کے لیے خیالی تانے بانے بنائے جائیں، تنظیم کے پاور پوائنٹ پریزینٹیشن کی سلائڈ کو ویب سائٹ سے کاپی کر کے دھواں دار انداز میں بے سر پیر کی باتیں کی جائیں۔ یہ ساری بیجا لفاظی نوٹ کر لی گئی ہے، جمہوری سماج میں عدالتی عمل کی اہمیت کو ملت خوب سمجھتی ہے اور یہ مانتی ہے کہ شخصی وقار اور اداروں کے اعتبار پر کسی عوامی پلیٹ فارم سے حملہ کرنے کی ناشائستہ حرکتوں کا نوٹس اگر نہیں لیا جائے گا تو یہ ملک اور سماج کے نظام کے لیے اچھا نہیں ہوگا، چنانچہ یقینا ملت اپنی اس ذمہ داری کو روبہ کار لانے کا عزم مصمم رکھتی ہے۔ چینل کے نشریوں میں عوام کو بہکایا جا رہا ہے کہ سول سروسز میں کامیابی کے ذریعہ 'بھارت پر قبضہ کرنے کی سازش ہے' حالانکہ اس طرح کے گمراہ کن بہکاوے سے ملت کا حوصلہ بلند تر ہوا ہے۔ یاد رہے کہ سماج کی بھلائی اور انسانیت کے مفاد میں کام کرنا ہمیشہ آسان نہیں ہوتا ہے۔ پروردگار نے ہم انسانوں کو اس لیے پیدا کیا ہے تاکہ ہماری جانچ ہو کہ ہم میں سے کون زیادہ اچھا عمل کرنے والا ہے، وہ ہمیں آزماتا رہتا ہے کہ ہم اچھے کاموں میں ہمیشہ ثابت قدم رہتے ہیں یا مشکل حالات میں ہمارے قدم خدانخواستہ ڈگمگا جاتے ہیں۔

info@zakatindia.org

Rashtriya Sahara Oct 10, 2020

تعلیمی پالیسی کے تحت ایلیمنٹری سطح کا نظام

ڈاکٹر سید ظفر محمود

جائزہ

قومی تعلیمی پالیسی 2020 کے تحت 'بچپن کے شروعاتی دور میں تعلیم وتربیت' (Early childhood care & education: ECCE) کے باب میں درج ہے کہ بچوں کی 85فیصد نشو ونما ابتدائی 6سالوں میں مکمل ہو جاتی ہے، ان کی ذہنی بالیدگی کے لیے وہ ابتدائی سال بہت اہم ہیں۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ کروڑوں چھوٹے بچوں بالخصوص پسماندہ طبقات کے بچوں کومعیاری تعلیم دستیاب نہیں ہے، لہٰذا ای سی سی ای میں مجوزہ سرمایہ کاری چھوٹے بچوں کو اس تک رسائی فراہم کرے گی تاکہ وہ آگے کی زندگی میں بھی باوقار تعلیمی نظام میں حصہ لے سکیں۔ پلان یہ ہے کہ 2030 تک پہلی جماعت میں داخلہ کے اہل تمام طلبا کے لیے اسکول تیار رہیں۔ ای سی سی ای نمایاں طور پر لچکدار، کثیرالجہت، کثیرسطح کھیل کود پر مبنی نصاب پر مشتمل ہے۔ حرف تہجی، زبان، اعداد، گنتی، رنگ، شکلیں، اندرون و بیرونی کھیل، پہیلیاں، منطقی سوچ، مسائل کا حل، پینٹنگ، مصوری اور دیگر فنون وہنر، ڈرامہ، موسیقی ونقل حرکت پر بھی توجہ مرکوز کی جائے گی۔ سماجی صلاحیتیں، اچھا سلوک، اخلاقیات، ذاتی اور عوامی صفائی، ٹیم ورک اور تعاون کو ای سی سی ای کے مجموعی مقصد میں اجاگر کیا گیا ہے تاکہ اس کے زیادہ سے زیادہ مثبت نتائج حاصل ہوسکیں۔ جسمانی ارتقا، علم فہمی، سماجی، اخلاقی، ثقافتی، فنکارانہ ترقی اور ابتدائی زبان و ادب اور عددی علم پر زور دیا گیا ہے۔ 8سال کی عمر تک کے بچوں کی ابتدائی تعلیم کے لیے ایک قومی نصاب اور تعلیمی فریم ورک این سی ای آر ٹی (NCERT) تیار کرے گا۔ اس میں تازہ ترین تحقیق، قومی و بین الاقوامی طریق کار اور ہندوستان کی متعدد روایات بشمول آرٹ، کہانیاں، شاعری، کھیل، گانے وغیرہ شامل کیے جائیں گے۔ یہ فریم ورک یکساں طور پر ابتدائی بچپن کی دیکھ بھال کے ضمن میں طلبا اور سرپرستوں دونوں کی رہنمائی کرے گا۔ سارے ملک میں مرحلہ وار انداز میں اعلیٰ معیار کی ای سی سی ای کو عالمی سطح تک رسائی کو یقینی بنانا اہم مقصد ہوگا۔ معاشی و معاشرتی طور پر پسماندہ اضلاع ومقامات پر خصوصی توجہ دی جائے گی۔

اس طور پر طفل ابتدائی کے تعلیمی اداروں کی توسیع کو مضبوط نظام عمل میں لایا جائے گا، جسے کارگر آنگن واڑیوں اور پری اسکول و پری پرائمری (5 سے 6سال کی عمر) کے ذریعہ نافذ کیا جائے گا۔ سبھی اداروں میں ای سی سی ای کے تعلیمی نصاب کے مطابق تربیت یافتہ اساتذہ کو متعین کیا جائے گا۔ آنگن واڑی کے لیے جدید عمدہ تعمیر شدہ ہوادار عمارتیں ڈیزائن کی جائیں گی تاکہ بچوں کو سیکھنے کا عمدہ ماحول فراہم کیا جاسکے، وہاں سرگرمیوں سے بھرے پروگراموں میں بچے شریک ہوسکیں گے۔ آنگن واڑی کے احاطے میں منعقد پروگراموں میں طلبا، والدین اور اساتذہ کو حصہ لینے کے لیے دعوت دی جائے گی تاکہ یکجہتی قائم ہوسکے۔ 5سال کی عمر سے پہلے ہر بچہ ایک ابتدائی کلاس یا "بال واٹیکا" (کلاس 1 سے قبل) میں منتقل ہوجائے گا جس میں ای سی سی ای سے تربیت یافتہ استاد دستیاب رہیں گے۔ پریپیٹری کلاس میں بنیادی طور پر کھیل پر مبنی تعلیم پر توجہ دی جائے گی۔ نیز اس کے علاوہ علمی، جذباتی، نفسیاتی صلاحیتوں اور ابتدائی خواندگی، عددشماری کی تعلیم پر توجہ مرکوز کی جائے گی۔ پریپیٹری کلاس سے پرائمری اسکولوں تک دوپہر کے کھانے کا انتظام رہے گا۔ ای سی سی ای اساتذہ کا ایک اعلیٰ درجہ کا کیڈر تیار کرکے اسے این سی ای آر ٹی کے ذریعہ تیار کردہ درسگاہی فریم ورک کے تحت منظم انداز میں تربیت دی جائے گی۔ 2+10 پاس شدہ اور اس سے آگے کی قابلیت رکھنے والے آنگن واڑی اساتذہ و کارکنان کو 6ماہ کا سرٹیفکیٹ پروگرام کرایا جائے گا اور جو افراد کم قابلیت والے ہوں گے، ان کے لیے ایک سالہ ڈپلوما پروگرام منعقد کیا جائے گا جس میں ابتدائی خواندگی اور عددشماری اور دیگر متعلقہ پہلوؤں کو شامل کیا جائے گا۔ یہ پروگرام ڈی ٹی ایچ اور اسمارٹ فونس کے ذریعہ کروائے جائیں گے جس سے اساتذہ کو موجودہ درپیش رکاوٹوں کو دور کرنے میں مدد ملے گی۔ آنگن واڑی کی تربیت کو اسکول ایجوکیشن کلسٹر ریسورس سینٹر کی سرپرستی حاصل رہے گی اور مستقل احتسابی عمل کے لیے ماہانہ رابطہ کلاسس بھی منعقد کی جائیں گی۔ تعلیم طفلی کے اول ترین مرحلے سے متعلق پیشہ ورانہ تربیت، رہنمائی کے طریق کار، کریئر میپنگ اور مستقل ترقی کے لیے سہولیات بہم پہنچائی جائیں گی۔ ابتدائی بچپن کی تعلیم کا خاکہ حکومت میں ہیومن ریسورس، ویمن اینڈ چائلڈ ڈیولپمنٹ، صحت اور خاندانی بہبود وزارتیں مشترکہ طور پر تیار کریں گی اور وہ اس کا نفاذ بھی کریں گی جس کے لیے ایک خصوصی مشترکہ ٹاسک فورس بنایا جائے گا۔

بنیادی خواندگی اور اقدار پر مبنی تعلیم کے ساتھ عددشماری پر توجہ دینے کے لیے قومی خواندگی اور شماریاتی مشن قائم کیا جائے گا۔ مستقبل میں موثر حصول تعلیم کی صلاحیت پیدا کرنے کی غرض سے ضروری ہے کہ ایلیمنٹری سطح پر اسکولی طلبا میں پڑھنے، سیکھنے کے ساتھ خصوصاً عددشماری کا بنیادی فن ذہن نشین کردیا جائے۔ دوسری طرف مختلف سرکاری وغیر سرکاری جائزوں سے اشارہ ملتا ہے کہ فی الوقت ہم اس معاملہ میں ایک سنگین مسئلہ سے دوچار ہیں۔ موجودہ دور کے ایلیمنٹری اسکولوں میں تقریباً پانچ کروڑ طلبا بنیادی خواندگی و عددشماری کی صلاحیت سے نابلد ہیں یعنی یہ بچے لکھنے پڑھنے، سمجھنے اور بنیادی جوڑنے گھٹانے کی اہلیت سے ناواقف ہوتے ہیں۔ لہٰذا تعلیمی سسٹم کا ایک اہم ہدف یہ رہے گا کہ 2025 تک پرائمری سطح پر بچوں میں بنیادی خواندگی وعددشماری کی تفہیم کو یقینی بنایا جاسکے۔ اس کام کے لیے قومی مشن کے زیرنگرانی ریاستوں اور مرکزی انتظامی علاقوں کی حکومتیں 2025 تک حاصل کیے جانے والے مرحلہ وار اہداف کی نشاندہی کرتے ہوئے منصوبہ تیار کریں گے۔ اساتذہ کی خالی جگہیں مقررہ وقت میں پُر کی جائیں گی، خاص طور پر پسماندہ علاقوں میں تقرر کیے جائیں گے جہاں ناخواندگی کی شرح زیادہ ہے۔ مقامی زبان میں مہارت رکھنے والوں کو ترجیح دی جائے گی۔ اس بات کو یقینی بنایا جائے گا کہ ہر اسکول میں اساتذہ وطلبا کا تناسب 30:1 سے کم ہو اور معاشی اعتبار سے کمزور علاقوں کے اسکولوں میں اساتذہ اور طلبا کا تناسب 25:1 سے کم ہو۔ فی الحال ای سی سی ای کی تمام تر رسائی نہ ہونے کی وجہ سے بچوں کی ایک قابل لحاظ تعداد اگلی جماعت میں جانے کے کچھ ہی ہفتوں بعد اپنے ہم جماعتوں سے پیچھے رہ جاتی ہے۔ اس لیے این سی آر ٹی اور ایس سی آر ٹی کے ذریعہ جماعت اول کے طلبا کے لیے تین ماہ کی عبوری مدت کا کھیل پر مبنی 'اسکول تیاری ماڈیول' بنایا جائے گا جس میں غیر نصابی سرگرمیاں اور ورک بک میں حروف، آواز، الفاظ، رنگ، شکلیں وغیرہ شامل ہوں گی، اس ماڈیول کو سرگرمی سے عمل میں لانے کے لیے ہم جماعتوں اور والدین کا تعاون حاصل کیا جائے گا۔ یقینی بنایا جائے گا کہ ہر بچہ اسکول کے لیے تیار ہے۔ دی ڈیجیٹل انفرااسٹرکچر فار نالج (دیشا) کے ذریعہ ابتدائی خواندگی وعددشماری پر اعلیٰ معیاری درجے کے وسائل کا ایک قومی ذخیرہ فراہم کیا جائے گا۔

ابتدائی بچپن کی تعلیم کا خاکہ حکومت میں ہیومن ریسورس، ویمن اینڈ چائلڈ ڈیولپمنٹ، صحت اور خاندانی بہبودوزارتیں مشترکہ طورپر تیار کریں گی اور وہ اس کا نفاذ بھی کریں گی جس کے لیے ایک خصوصی مشترکہ ٹاسک فورس بنایا جائے گا. بنیادی خواندگی اور اقدار پر مبنی تعلیم کے ساتھ عدد شماری پر توجہ دینے کے لیے قومی خواندگی اورشماریاتی مشن قائم کیا جائے گا. مستقبل میں موثر حصول تعلیم کی صلاحیت پیدا کرنے کی غرض سے ضروری ہے کہ ایلیمنٹری سطح پر اسکولی طلبا میں پڑھنے، سیکھنے کے ساتھ خصوصاً عددشماری کا بنیادی فن ذہن نشین کردیا جائے.

info@zakatindia.org

Rashtriya Sahara Oct 25, 2020

بہار اسمبلی الیکشن: ہستئ قوم ہے حقیقی

ڈاکٹر سید ظفر محمود

تجزیہ

آنے والے دنوں میں بہار اسمبلی کے لیے الیکشن ہونے جا رہے ہیں، ہمارے لیے وہاں کے انتخابی حلقوں کا ناک نقشہ (منظرنامہ) دلچسپ ہے۔ کل 243 انتخابی حلقوں میں سے مردم شماری کے مطابق کوچہ دھامن (کشن گنج) اور امور (پورنیہ) اسمبلی حلقوں میں ملی آبادی 74% ہے، بائیسی میں 69%، بہادر گنج میں 68%، کشن گنج میں 64% اور ٹھاکر گنج میں 63% ہے۔ ارریہ پارلیمانی سیٹ کے جوکی ہاٹ اسمبلی حلقہ میں ملی آبادی 68% ہے، کٹیہار پارلیمانی سیٹ کے بلرام پور اسمبلی حلقہ میں 65% ہے۔ کشن گنج اسمبلی حلقہ میں یہ آبادی 64%، ٹھاکر گنج میں 63%، ارریا میں 59%، پران پور میں 50%، کڈوا (کٹیہار) اور قصبہ (پورنیہ) میں 45%، فوربس گنج (ارریا) میں 35%، بسفی (مدھوبنی) اور ڈھاکہ (مشرقی چمپارن) میں 34%، سکتی (ارریہ)، کیوٹی (دربھنگہ) اور باج پٹی (سیتامڑھی) میں 33%، جالے (دربھنگہ) میں 32%، براری (کٹیہار) میں 31%، بھاگل پور اور مشرقی چمپارن ضلع کے سکتا اور نرکٹیا گنج میں 30%، پورنیہ، پری ہار (سیتامڑھی)، سیوان اور کٹیہار میں 28%، دربھنگہ، برہڑیا (سیوان) اور بیتیا (مشرقی چمپارن) میں 27%، نرپٹ گنج (ارریا)، گورا بوڑم (دربھنگہ) میں 26%، سگولی (مشرقی چمپارن) اور رگھو ناتھ پور (سیوان) میں 25%، بہار شریف (نالندہ)، مدھوبنی، ناتھ نگر (بھاگل پور) اور سرسند (سیتامڑھی) میں 24%، چھاتاپور (سپول)، رکسول (مشرقی چمپارن)، علی نگر (دربھنگہ) اور برولی (گوپال گنج) میں 23%، گیا شہر، مشرقی چمپارن ضلع کے چنپٹیا اور لوریا اور مظفر پور ضلع کے کانتی حلقہ میں 21%، سیتامڑھی، کہل گاؤں (بھاگل پور) اور ہتھوا (مظفر پور) اور دھم دہا (پورنیہ) میں ملی آبادی 20% ہے۔ یہ کل 54 اسمبلی حلقے ہیں۔ اس کے علاوہ بانکا، شیوہار، سہرسہ، ویشالی، بیگوسرائے، روہتاس، سارن، نوادا، گیا، سیوان، مظفر پور، دربھنگہ، مدھوبنی، مشرقی چمپارن، سپول اور پٹنہ کے 41 دیگر اسمبلی حلقوں میں ہماری آبادی 15-19% ہے۔ ان اضلاع کے علاوہ جموئی، اورنگ آباد، منگیر، مادھے پورہ، کھگڑیہ، بھوج پور، کیمور، جہان آباد، سمستی پور اور اروال اضلاع کے مزید 93 اسمبلی حلقوں میں 10-14% ہے۔

اس پس منظر میں ذرا غور کریں کہ 2015 کے الیکشن میں اسمبلی حلقہ پران پور میں جہاں آپ 50% ہیں، آپ کا ووٹ بٹ گیا اور آپ اپنی پسند کا امیدوار نہیں چن سکے۔ کڈوا میں ملی آبادی 45% ہے وہاں آپ کی پسند کے امیدوار کی جیت کا مارجن معمولی ہی تھا، بہت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ فوربس گنج میں آپ کی آبادی 35% ہے لیکن گزشتہ تین انتخابوں سے آپ اپنے ووٹ کو مستحکم نہیں کر پا رہے ہیں، اب تو کر لیجیے، تھوڑی توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

> **ہم خوب واقف ہیں کہ ملک میں آپ کو بے تکے منفی نکات میں الجھانے کا باقاعدہ پروگرام چل رہا ہے تا کہ آپ انہی میں پھنسے رہیں اور اپنے لیے بیحد ضروری طویل مدتی ترقیاتی ایشوز سے غافل رہیں۔ لیکن افسوس کہ ملت اگر باخبر و متحد ہوتی ہے تو صرف شادی کی بڑی دعوتوں اور مشاعروں میں شمولیت کے وقت۔**

اسی طرح ڈھاکہ (مشرقی چمپارن) میں جہاں آپ کی آبادی 34% ہے، وہاں بھی 2015 میں جیت کا مارجن زیادہ نہیں تھا، لہٰذا مستقل کوشش درکار ہے۔ سکتا (بھاگلپور) اور نرکٹیا (مشرقی چمپارن) میں ملی آبادی 30% ہے، جبکہ سکتی (ارریہ) اور کیوٹی (دربھنگہ) دونوں انتخابی حلقوں میں آپ 31% ہیں، باج پٹی (سیتامڑھی) میں 33%، جالے (دربھنگہ) میں 32%۔ پھر بھی سکتا، نرکٹیا اور کیوٹی میں آپ کی پسند کا امیدوار 2015 میں جیت گیا لیکن سکتی، باج پٹی اور جالے میں نہیں جیتا، یہاں سکتی باج پٹی اور جالے والوں کے لیے سکتا، نرکٹیا اور کیوٹی والوں سے سبق لینے کی ضرورت ہے۔ پری ہار، سیوان، کٹیہار، دربھنگہ، سگولی، بہار شریف، چھاتاپور، رکسول، گیا شہر، چنپٹیا، لوریا، بانکا، سارن میں قابل قدر آبادی کے باوجود 2015 میں آپ کی پسند کا امیدوار نہیں جیتا کیونکہ بہت سے لوگ ووٹ دینے نہیں گئے اور جو ووٹ پڑے وہ بٹ گئے، اب کی خاص خیال رکھئے گا۔ کیا اکثر افراد اپنی اپنی ذاتی اور خاندانی معاشی سازباز میں اتنا لگے ہوئے ہیں کہ چاہے ملت کی موجودہ اور آئندہ آنے والی نسلیں تباہ کیوں نہ ہو جائیں لیکن ان کے پاس ملت کی بقا کے لیے وقت نہیں ہے؟ یاد رکھئے افراد کا وجود مجازی ہے اور ملت کا وجود حقیقی ہے۔ اگر آپ اپنی ملت کو زندہ سمجھتے ہیں تو آپ کو اس کی خاطر اپنی دنیا خود پیدا کرنی ہے، جس کے لیے آپ کو صرف معمولی سی توجہ ہی تو کرنی ہے۔ آپ چاہیں تو چمنستان کی ہیئت بدل سکتے ہیں، آپ کی ہستی بینا ہے، دانا ہے، توانا ہے۔ ووٹنگ سے قبل کے ایام میں متحدہ حکمت عملی تیار کرنے اور ووٹروں کو گائڈ کرنے کی طرف توجہ دینی ہے۔ 2015 کے بہار اسمبلی الیکشن میں بی جے پی کا ووٹ شیئر 24.4% تھا، جے ڈی یو کا 16.4% اور لوک جن شکتی پارٹی کا 4.8% تھا اور ان تینوں کو جوڑ کے 125 سیٹیں ملی تھیں جبکہ دونوں بڑی پارٹیوں کو ملا کے ان کا اوسط ووٹ شیئر 20.4% تھا۔ آر جے ڈی کا ووٹ شیئر 18.4% تھا اور کانگریس کا 6.7% تھا، ان دونوں کو جوڑ کے 107 سیٹیں ملی تھیں۔ اس سے قبل 2010 کے بہار اسمبلی الیکشن میں جنتا دل یونائٹڈ اور بی جے پی کو مشترکہ طور پر 206 سیٹیں ملی تھیں یعنی 84% سیٹیں، جبکہ جنتا دل یونائٹڈ کو 22% ووٹ ملے تھے اور بی جے پی کو 16%، یعنی دونوں پارٹیوں کو ملا کے اوسط 19% ووٹ ملے تھے۔ اب اس پس منظر میں غور کریں کہ جن 54 حلقوں میں آپ کا ووٹ 20-74% ہے وہاں اگر آپ متحد ہو جائیں تو ان 54 حلقوں میں تو جس کو آپ چاہیں گے وہی پارٹی جیتے گی۔ اس کے علاوہ 15-19% ووٹ والی 41 سیٹوں میں بھی آپ بے انتہا اثر انداز ہو سکتے ہیں اگر متحد ہو جائیں۔ باقی 93 سیٹوں میں آپ 10-14% ہیں اور وہاں آپ کا کیا اثر ہو سکتا ہے، اس پر منحصر ہوگا کہ آپ ایک طاقت کے طور پر کیا لائحہ عمل تیار کرتے ہیں اور اس کا نفاذ کس حد تک اور کس انہماک سے کرتے ہیں۔ ادھر ٹکٹ لینے والے اور ان کے حامی صرف یہ نہ سوچیں کہ انھیں ذاتی طور پر خود جیتنا یا کسی کو جتانا ضروری ہے بلکہ یہ سوچیں کہ ملی جیت کس میں ہے۔ ملک کے باقی صوبوں میں بھی آنے والے بہار اسمبلی الیکشن کی صرف پگڈنڈی پر نظر ہی نہیں رکھنی ہے بلکہ جو بھی لوگ پہلے سے وہاں جا کر قیام کر کے ووٹروں سے مل کے گفتگو کے ذریعہ حتی الامکان ہموار اتحاد کو فروغ دیں تو اس سے بھی مثبت فرق پڑے گا۔ دہلی اسمبلی الیکشن 2017 میں میڈیا کی یکساں رپورٹ تھی کہ 75-80% آپ نے متحد ہو کر ووٹ دیا۔ اسی طرح بہار میں بھی حکمت عملی کے ساتھ ووٹنگ کرنی چاہیے۔

ہم خوب واقف ہیں کہ ملک میں آپ کو بے تکے منفی نکات میں الجھانے کا باقاعدہ پروگرام چل رہا ہے تا کہ آپ انہی میں پھنسے رہیں اور اپنے لیے بیحد ضروری طویل مدتی ترقیاتی ایشوز سے غافل رہیں۔ لیکن افسوس کہ ملت اگر باخبر و متحد ہوتی ہے تو صرف شادی کی بڑی دعوتوں اور مشاعروں میں شمولیت کے وقت۔ ثقافتی طور پر اپنے کو تازہ دم کرنا بھی اچھا ہے لیکن صرف گاہے گاہے اور وقت کی موزونیت و مناسبت کے ساتھ نہ کہ اس کے غلبہ تسلط کا شکار ہو کر۔ اس سماجی نقص طبع سے باہر آ کر بہار کی ملت چاہے تو آنے والے الیکشن کا چیلنج قبول کر کے تدبیر کا استعمال کرتے ہوئے ملی وقار کی بازیابی کے ذریعہ پورے ملک کے سامنے مثال بن سکتی ہے اور اگر اب بھی یہ نہیں کیا گیا تو غالباً بقول اقبال اپنی مجلس شوریٰ میں ابلیس نے اپنے ساتھیوں سے ملت اسلامیہ کے متعلق صحیح خطاب کیا تھا کہ:

ہے وہی شعر و تصوف اس کے حق میں خوب تر
جو چھپا دے اس کی آنکھوں سے تماشائے حیات
ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس کے دیں کی احتساب کائنات

info@zakatindia.org

Rashtriya Sahara Dec 09, 2020

مغربی بنگال اسمبلی انتخاب اور ہماری ذمہ داری

ڈاکٹر سید ظفر محمود

تجزیہ

مغربی بنگال اسمبلی کا الیکشن اپریل 2021 میں ہونے والا ہے۔ وہاں 294 انتخابی حلقے ہیں، ان میں سے 68 شیڈولڈ کاسٹ کے لیے اور 16 شیڈولڈ ٹرائب کے لیے ریزرو ہیں، یاد رہے کہ شیڈولڈ ٹرائب میں مسلمان قبیلے بھی شامل ہیں۔ 294 میں سے 53 سیٹیں ایسی ہیں جو ریزرو نہیں ہیں اور جہاں ووٹروں کی تعداد میں مسلمان 40% سے 89% تک ہیں۔ ضلع مرشدآباد، اتری دیناج پور، مالدا، اتری 24 پرگنا، بیربھوم اور نادیا، ہاوڑا، بیربھوم، مالدا، دکھن 24 پرگنا، بردھامن، کوچ بہار اور پوربو میدنی پور میں یہ انتخابی حلقے ہیں (i) ڈومکل، سوجاپور، بھاگ بنگولا اور رانی نگر، ان 4 انتخابی حلقوں میں مسلمان 80% سے زیادہ ہیں، (ii) 9 حلقوں سمسر گنج، لال گولا، گول پوکھر، رگھوناتھ گنج، ہریش چندر پور، جانگی، مالتی پور، نوادا اور موتھاباری میں مسلمان 70-80% ہیں، (iii) 17 حلقوں رتوا، ہریہر پاڑا، ہرودا، سوتی، چنچل، فرکا، بھانگر، کیتنگ پوربا، بشیرہٹ اتر، مرارئی، چوپرا، دیگنگا، ریجی ناگر، ساگردیگھی، اسلام پور، بدوریا اور چکولیا میں مسلمان 60-70% ہیں، (iv) 11 حلقوں چیرا، کالی گنج، ہنسن، جانگی پور، بھرت پور، مگراہٹ پچھم، علہٹی، امدنگا، ناکا شپارا، کاندی اور ایتاہار میں مسلمان 50-60% ہیں۔ (v) 12 چناوی حلقوں یعنی کرندھی، بائس نب نگر، بیلدنگا، پالاشپرا، مانک چک، بشیرہٹ دکھن، مرشدآباد، کریم پور، الوبیریا پوربا، بج لا بھیش تالا، ناتا باڑی، ڈائمنڈ ہاربر میں مسلمانوں کی آبادی 40-50% ہے۔ اس کے علاوہ (vi) 23 انتخابی حلقے ہیں جہاں مسلم آبادی 30-40% ہے، یہ ہیں اتہا، تندی گرام، گلسی، بج بج، الوبیریا دکھن، مانیسور، ست گچھیا، کمارگنج، کٹوا، کیتوگرام، فلتا، منگل کوٹ، بول پور، دن ہٹا، رام پور ہٹ، بستعلی پور اتر، بارو پور پچھم، راجارہٹ نیو ٹاؤن، مدھیم گرام، آدے نرائن پور، بگنان، اشوک نگر اور انگلش بازار۔ علاوہ ازیں (vii) 35 انتخابی حلقوں میں مسلم آبادی 20-30% ہے، یہ ہیں پچھم کرشنا نگر، تیابرج، امتا، چنڈی تالا، میوریسور، لب پور، بستعلی پور دکھن، بھاٹر، جنگی پاڑا، کوچ بہار دکھن، سوری، پنڈوا، باراست، کمار ہٹی، پنس کورا پوربا، پنس کورا پچھم، بیجالا پوربا، رائے دیگھی، شیام پور، شیام پوکور، بیجالا پچھم، جوراسنکو، کاشی پور بلگچھیا، جادو پور، ٹولی گنج، بھبنی پور، قصبہ، اِشالی، بجلی گھاٹا، کولکتا پورٹ، بالی گنج، منک تالا، رش بہاری، آسن سول اتر، ہماری، مجسپ دانی اور کلٹی۔

ان کے علاوہ 33 انتخابی حلقے ایسے ہیں جہاں مسلمانوں کی تعداد 20-53% ہے لیکن یہ سیٹیں شیڈولڈ کاسٹ کے لیے ریزرو ہیں پھر بھی شیڈولڈ کاسٹ امیدواروں میں سے جو امیدوار مسلمانوں کو پسند ہوں انہی کو یہ سیٹیں جیتنا چاہئیں۔ یہ حلقے ہیں مناکھن، مرشدآباد، نباگرام، کھرگرام، سوروپ نگر، مگراہٹ پوربا، بسنتی، جے نگر، بروان، ہیم تبد، بروئی پور پوربا، کوشمونڈی، کیتنگ پچھم، مندر بازار، کلتالی، ہیتائی، سنکریل، بشنو پور، ڈبراج پور، سیتل کچھی، الوبیلیا اتر، کیش پور، ہنسکل گنج، مکلی گنج، گنگا رام پور، گزول، رانگا، ملدہا، گلسی، سیتھیا، کلیا گنج، اوس گرام، آرام باغ، بردھامن اتر اور راج گنج۔ لہٰذا اس طرح 144 سیٹوں پر مسلمان خود یا ان کی پسند کا امیدوار ہی جیتنا چاہیے، شرط یہ ہے کہ 100% مسلمان ووٹ دینے جائیں اور ان کے ووٹ بٹنے نہ پائیں۔ باقی ماندہ سیٹوں میں سے بھی 58 ایسے مزید چناوی حلقے ہیں جو ریزرو نہیں ہیں اور ان میں مسلمانوں کی آبادی 10-20% ہے۔ یہ ہیں پُرسورا، ہوڑا دکھن، کھناکل، ڈوم جور، بارک پور، نابادویپ، ہری پال گربیٹا، طوفان گنج، آسن سول دکھن، جموریا، رائے گنج، کاک دیپ، سانتی پور، تملوک، بردھامن دکھن، بھاٹ پاڑا، ہوڑا مدھیہ، ہوڑا اتر، جگت دل، شیب پور، سپتا گرام، بیلی، کھڑگ پور، سلسونی، ہبرا، رانی گنج، میدنی پور، پرولیا، پنسکلا، پندابیسور، دنتن، چندی پور، بہرام پور، بشنو پور، ہندامکار، چندن نگر، ساگر، شری رام پور، سونار پور اتر، کھڑگ پور اتر، سنگور، کھردہا، سونار پور دکھن، تارکیشور، مہی سدل، موہینا، کانتھی دکھن، راجرہٹ گوپال پور، نوواپاڑا، درگرام پھلباڑی، کرشنا نگر اتر، کانتھی اتر، چک دہا، رام نگر، اِگرا، ڈبرا، پتھر پرتیما، اوندا اور چُنچُڑا۔ جبکہ اسی تناسب میں مسلم آبادی کے علاقوں میں مزید 28 انتخابی حلقے ہیں جو شیڈولڈ کاسٹ کے لیے ریزرو ہیں (علاوہ ایک کے جو شیڈولڈ ٹرائب کے لیے ریزرو ہے)۔ یہ ہیں راج گنج، مال، جمال پور، کوچ بہار اتر، دھنے کھلی، پھانسی دیوا، کلنا، اِندس، بگدا، کتول پور، پھلا کاٹا، ماتھا بھنگا، پاڑا، دھوپ گوری، تپن، گوسابا، چندرکونا، گوگھاٹ، سونا مکھی، گائے گھاٹا، جل پائی گڑی، نگرا کاٹا، مینا گوری، بالاگڑھ، راناگھاٹ دکھن، کرشنا گنج، رگھوناتھ پور اور بن گاؤں دکھن۔ ان علاقوں میں بھی مسلمان اگر چاہیں تو ان کا ووٹ پاسنگ کا کام کرسکتا ہے۔ گویا 111 فری حلقوں میں مسلمان 20-89% ہیں اور 58 فری حلقوں میں مسلمان 10-20% ہیں۔ 33 ریزروڈ سیٹوں میں مسلمان 20-53% ہیں اور 28 ریزروڈ سیٹوں میں مسلمان 10-20% ہیں۔ بنگال کے مسلمانو! اُٹھ کھڑے ہو اور اپنی طاقت کو پہچانو، تمہارے ہاتھ میں ہندوستان کے مسلمانوں کی تقدیر ہے۔

غور کرنے کا ایشو یہ ہے کہ انتخابی حلقہ رتوا میں 68% مسلمان ہیں، سوتی میں 66%، ساگر دیگھی (62%)، ہنسن (55%)، بھرت پور (56%)، علہٹی (52%)، ایتاہار (50%)، کرندیگھی (50%)، بائس نب نگر (48%)، پالاشپرا (48%)، مانک چک (45%)، بشیرہٹ دکھن (43%)، مرشدآباد (42%)، میں 2016 کے اسمبلی الیکشن میں ان سیٹوں پر جیتنے والا امیدوار مسلمان نہیں تھا۔ ایسے اور بھی بہت سے حلقے ہیں جہاں مسلمانوں کی بڑی فیصد کے باوجود وہاں سے مسلمان نہیں جیتا۔ دوسرا اہم پہلو یہ بھی ہے کہ جیتنے والے مسلمان امیدوار مختلف سیاسی جماعتوں میں اس طرح بٹ گئے کہ ان کا اثر زیادہ نہیں رہا۔ میری رائے میں تو مندرجہ بالا تمام انتخابی حلقوں میں سے ہر ایک میں بے غرض اور فرض شناس مسلمانوں کا ایک گروپ اللہ کی خوشنودی کے لیے اُٹھ کھڑا ہو۔ خاموشی سے گھر گھر جا کر ابھی سے لوگوں کو اُن کے ووٹ کی اہمیت سمجھائے اور اس کی اہمیت کہ ان کا ووٹ بٹنا نہیں چاہیے۔ یہ فریضہ ائمہ و خطبا کو بھی ادا کرنا چاہیے۔ موجودہ صوبائی حکومت میں 27 وزیروں میں سے صرف 3 کیبنٹ رینک کے منسٹر مسلمان ہیں اور 25 وزرائے مملکت میں سے صرف 5 وزیر مسلمان ہے، یعنی کہ 52 میں سے صرف 8 جبکہ صوبہ میں مسلم آبادی کے حساب سے 13 وزیر مسلمان ہونے چاہئیں اور اگر اوپر دیے گئے اعداد کے مطابق مسلمان ووٹ دیں گے تو ان کے وزیروں کی تعداد اور زیادہ ہونی چاہیے۔

> **صوبہ کے مسلمانوں کو اگلے الیکشن کے لیے اپنا لائحۂ عمل تبدیل کرنا ہو گا۔ مسلمانوں کے ملی حق کی استواری کے لیے ہمیں مضبوط دیوار کی طرح کھڑے رہنا ہوگا۔ خصوصاً جسٹس سچر کمیٹی اور جسٹس مشرا کمیشن کی اہم سفارشوں کا نفاذ ہمیں چاہیے۔ مثلاً حکومت کو انفرا اسٹرکچر اسکیموں (نئے اسکولوں اور میڈیکل سہولتوں کا قیام، پکی سڑکیں، بس اسٹینڈ وغیرہ) اور ان کے نفاذ کے لیے دیہی علاقوں میں گاؤں کو اور شہری علاقوں میں وارڈ کو اکائی بنانا ہو گا، نہ کہ ضلع یا بلاک کو۔**

صوبہ کے مسلمانوں کو اگلے الیکشن کے لیے اپنا لائحۂ عمل تبدیل کرنا ہوگا۔ مسلمانوں کے ملی حق کی استواری کے لیے ہمیں مضبوط دیوار کی طرح کھڑے رہنا ہوگا۔ خصوصاً جسٹس سچر کمیٹی اور جسٹس مشرا کمیشن کی اہم سفارشوں کا نفاذ ہمیں چاہیے۔ مثلاً حکومت کو انفرا اسٹرکچر اسکیموں (نئے اسکولوں اور میڈیکل سہولتوں کا قیام، پکی سڑکیں، بس اسٹینڈ وغیرہ) اور ان کے نفاذ کے لیے دیہی علاقوں میں گاؤں کو اور شہری علاقوں میں وارڈ کو اکائی بنانا ہوگا، نہ کہ ضلع یا بلاک کو۔ جسٹس سچر کمیٹی کی سفارش کے مطابق یونیورسٹیوں و کالجوں میں داخلہ کے لیے صرف 60% تعلیمی اہلیت کو بنیاد مانا جائے اور بقیہ 40% میں امیدوار کا پچھڑا پن ناپا جائے جس میں تین پیمانے شامل ہوں یعنی گھریلو آمدنی، امیدوار کے رہائشی علاقہ کا پچھڑا پن اور اس کا خاندانی پیشہ۔ اس مشترکہ بنیاد پر جو طلبا حقدار نکلیں انہیں داخلہ دیا جائے۔ اس کے علاوہ اعلیٰ تعلیمی اداروں کو سرکاری امداد تبھی دی جائے جب وہ داخلہ کے لیے اس متبادل لائحۂ عمل (Alternative Admission Criteria) کو رائج کردیں۔ سول سروسز کی تیاری کے لیے مسلمانوں کے زیادہ آبادی والے ضلعوں میں سرکاری ادارے قائم کرنے ہوں گے۔ صوبائی حکومت کے زیر قبضہ وقف جائدادوں کو قبضوں سے آزاد کرنا ہوگا اور ان کا اختیار وقف بورڈ کو دینا ہوگا اور جتنے برس یہ قبضہ رہا ہے، اس دور کے لیے رائج بازاری شرح پر کرایہ حکومت کی طرف سے وقف بورڈ کو ادا کرنا ہوگا۔ حکومت کے صوبائی عہدوں کے امتحان میں شمولیت کے لیے مدارس سے فارغ طلبا کو تعلیمی طور پر اہل ماننا ہوگا۔ اختیارات والے عوامی عہدوں پر مسلمانوں کو نامزد کرنے کے لیے باقاعدہ طریق کار وضع کیا جانا ہوگا۔ مغربی بنگال کے مسلمان چاہیں تو اپنے اور ملکی چمنستان کی ہیئت بدل سکتے ہیں۔

info@zakatindia.org

Rashtriya Sahara Dec 23, 2020

جائزہ

آیئے اپنے آپ کو سر سید تحریک کا علمبردار بنائیں

ڈاکٹر سید ظفر محمود

> **کوئی بڑا کام کرنے کے لیے ہمارا سکندر ہونا ضروری نہیں، بلکہ ہمارے سینہ میں تمام سامان موجود ہے اور ہم اپنا آئینہ خود بنا سکتے ہیں۔ ہمیں اپنے من میں ڈوب کر زندگی کا سراغ تلاش کرنا ہے۔ اگر ہم محفل میں شریک ہی نہیں ہوں گے تو قصور تو ہمارا ہی ہوا نا۔ ہماری جنت ہمارے سوز جگر میں پنہاں ہے۔ ہماری ہستی دانا و توانا ہے اور ہم اپنے چمنستان کی ہیئت ضرور بدل سکتے ہیں۔**

فی الوقت ہم ملک کے سیاسی اُفق پر بے قرار ہیں پھر بھی ہمیں اس ایمانی مفروضہ پر یقین محکم رکھنا ہے کہ ہر تنگی کے ساتھ آسائش ہے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے سو برس مکمل ہو گئے، ہم نے ملک و دنیا میں خوب پرجوش محفلیں آراستہ کیں، مکالمے منعقد کیے، اخبارات میں مضامین پڑھے، بھلا ہو وائس چانسلر ڈاکٹر طارق منصور کا، اس موقع پر وزیر اعظم و وزیر تعلیم بھی ہماری خوشیوں میں شامل ہوئے۔ ساتھ ہی یہ بھی غور کرنے کی ضرورت ہے کہ ہم نے خود انفرادی و اجتماعی طور پر سرسید احمد خاںؒ کا کتنا قرض ادا کیا ہے؟ ہم نے کتنی ذاتی تگ و دو کی ہے ملت کی فلاح و بہبود کیلئے؟ قرآن کریم میں اللہ نے بتایا ہے کہ انسانیت کی تخلیق اس لیے کی گئی ہے کہ پروردگار فیصلہ کرے کہ ہم میں سے کون زیادہ انہماک سے اس کی مخلوق کی زندگی بہتر بنانے کی جدوجہد میں لگا رہا۔ یہ کہ ہمارا پیدا کرنے والا خود ہمیشہ کام میں مصروف رہتا ہے اور اس نے اپنی روح ہمارے اندر پھونکی ہے، لہٰذا ہمیں اس کے اوصاف میں سے اپنا حصہ لے لینے کی کاوش میں لگے رہنا چاہیے۔ یہ کہ کائنات ابھی ناتمام ہے اور ہر جانب سے کن فیکون کا ورد ہمارے کانوں میں گونج رہا ہے۔ لہٰذا کوئی بڑا کام کرنے کے لیے ہمارا سکندر ہونا ضروری نہیں، بلکہ ہمارے سینہ میں تمام سامان موجود ہے اور ہم اپنا آئینہ خود بنا سکتے ہیں۔ ہمیں اپنے من میں ڈوب کر زندگی کا سراغ تلاش کرنا ہے۔ اگر ہم محفل میں شریک ہی نہیں ہوں گے تو قصور تو ہمارا ہی ہوا نا۔ ہماری جنت ہمارے سوز جگر میں پنہاں ہے۔ ہماری ہستی دانا و توانا ہے اور ہم اپنے چمنستان کی ہیئت ضرور بدل سکتے ہیں۔ کچھ اہل وطن غلط فہمی میں ہیں کہ ہماری کشتی بھنور میں ہے ایسا ہرگز نہیں ہے، وہ موجیں تو دراصل ہمارے عزم کا طواف کر رہی ہیں۔ اس ظلمت شب میں سے ہم اپنے درماندہ کارواں کو لے کے ضرور نکلیں گے۔ اب صرف چشم کو نم کرنے اور جان کو شوریدہ کرنے سے کام نہیں چلے گا اور ملت سے ہمارا پوشیدہ عشق اب کافی نہیں ہے بلکہ اب تو ہمیں بازار میں پابجولاں چلنا ہوگا۔

سر سید احمد خاں ایسے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے جب مملکت برطانیہ نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی مدد سے علاقائی سازش و سرکشی کے ذریعہ مغلوں کی وسعت و طاقت کو محدود کر دیا تھا۔ موقع کی نزاکت کے لحاظ سے انھوں نے خود کمپنی کے کالج میں تعلیم حاصل کی اور عدل و قانون میں ڈگری حاصل کی۔ جدید سائنسی تعلیم کو فروغ دینے کے لیے تعلیمی ادارے قائم کرنے کے ساتھ مسلم تاجروں اور کاروباریوں کو سر سید نے منظم بھی کیا۔ انھوں نے اُس وقت مسلم سماج میں رائج جہالت، غیر عقلی اعتقاد اور ناکارہ رواجوں کی مخالفت کی۔ 1857 کی بغاوت کے بعد انھوں نے دلیری سے ایک کتابچہ بہ عنوان 'اسباب بغاوت ہند' لکھا تھا، جس میں انھوں نے انگریزوں کی پالیسی کی تنقید کی اور انھیں بغاوت کے لیے ذمہ دار ٹھہرایا، انھوں نے کمپنی پر زور دیا کہ انتظامیہ میں مسلمانوں کو شامل کیا جائے۔ حالانکہ ان کے دوستوں نے رائے دی کہ اس کتابچہ کے سب نسخے جلا دیے جائیں ورنہ سر سید کو ذاتی نقصان پہنچ سکتا ہے لیکن سر سید نے کہا کہ اگر ایسا ہوتا ہے تو بھی مسلمانوں کو اس کا فائدہ پہنچے گا اور انھوں نے اللہ پاک کے علاوہ کسی اور سے خوف نہ کرنے کا اعلان کرتے ہوئے اس کتابچہ کے 500 نسخے برطانوی حکومت و پارلیمنٹ کو بھیج دیے۔ وہاں اس کا انگریزی میں ترجمہ کروایا گیا اور اس پر بحث ہوئی اور پھر معمولی مخالفت کے بعد گورنر جنرل نے اس کتابچہ کو ایک مخلصانہ و دوستانہ رپورٹ کے طور پر تسلیم کر لیا اور اس کی بنیاد پر برطانوی پالیسی میں تبدیلیاں بھی کی گئیں۔

سر سید نے انگلستان کی رائل سوسائٹی اور رائل ایشیاٹک سوسائٹی کی طرز پر علی گڑھ میں سائنٹفک سوسائٹی قائم کی۔ اس کے ذریعہ سالانہ کانفرنس کا انعقاد ہوتا تھا، تعلیمی اداروں کے لیے فنڈ دیا جاتا تھا اور سائنس کے مضامین کا ایک جریدہ شائع کیا جاتا تھا۔ انھوں نے 'تہذیب الاخلاق' کے عنوان سے رسالہ شائع کرنا شروع کیا، حضور اقدسؐ کی حیات طیبہ پر مضامین لکھے اور اسلامی اصولوں کا سائنس و ترقی یافتہ سیاسی خیالات سے موازنہ کیا۔ سر سید نے 1887 میں محمڈن سول سروسز فنڈ ایسوسی ایشن قائم کیا جس کے 500 رکن تھے اور ہر شخص سالانہ 2 روپے دیتا تھا جو رقم کافی ہوتی تھی 15 نوجوانوں کو ہر سال لندن بھیجنے کے لیے جہاں وہ سول سروس کے امتحان میں شریک ہوتے تھے۔

انھوں نے تجویز دی کہ مسلمان آپس میں گفت و شنید کرنے کے لیے اردو زبان کا استعمال کریں۔ 41-1840 میں شائع شدہ ان کی کتاب 'آثار الصنادید' میں سر سید نے دہلی میں مقیم قدیم یادگاری عمارتوں کی تفصیل بیان کی۔ علی گڑھ میں محمڈن اینگلو اورینٹل اسکول قائم کرنے سے پہلے مراد آباد اور غازی پور میں بھی تعلیمی ادارے قائم کیے۔ بعد ازاں علی گڑھ کا ادارہ 1920 میں برطانوی پارلیمنٹ کے ایک خصوصی ایکٹ کے تحت مسلم یونیورسٹی بن گیا۔

ہم میں سے جس جس کے پاس انفرادی یا تنظیمی سطح پر زمین یا جائداد ضرورت سے زائد ہو انھیں اس کا کچھ حصہ کسی رجسٹرڈ ٹرسٹ کے نام منتقل کر کے وہاں تعلیمی ادارے قائم کر دینے چاہئیں۔ ملک میں جگہ جگہ مسلم تعلیمی کانفرنس کا انعقاد ہونا چاہیے، مسلم یونیورسٹی سے شائع ہونے والے رسالہ 'تہذیب الاخلاق' کا انگریزی، ہندی، ملیالم، بنگالی، تیلگو اور مراٹھی وغیرہ زبانوں میں ترجمہ شروع کر کے اس رسالہ کو ملک کے مختلف علاقوں کے طول و عرض میں تقسیم کیا جانا چاہیے۔ مسلم یونیورسٹی کے سول سروسز کے ادارہ کا ایک کیمپس دہلی میں بھی ہونا چاہیے کیونکہ سول سروسز کی کوچنگ کے لیے ملک کے کامیاب ترین کوچ صاحبان سب دہلی میں ہی ہیں۔ دہلی کیمپس کے لیے ڈائریکٹر کی تعیناتی کے لیے سول سروسز میں کام کرنے والے کسی سینئر افسر کی خدمات کو ڈیپوٹیشن پر حاصل کیا جانا چاہیے۔

مشرقی اتر پردیش کے ضلع بہرائچ میں شہر سے تقریباً 13 کلومیٹر دوری پر تحصیل مہسی کے گاؤں میگلا میں 1954 سے مسلم یونیورسٹی کو جناب سنت رام چودھری سے تحفہ میں ملی ہوئی 40 ایکڑ زمین ابھی تک غیر مستعمل پڑی ہوئی ہے۔ بھلا ہو بہرائچ کی ہیومن ویلفیئر سوسائٹی کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر وجود خاں کا کہ انھوں نے تگ و دو کر کے ضروری کاغذی کارروائی کو کسی حد تک آگے بڑھایا۔ انھوں نے مسلم یونیورسٹی کی انتظامیہ کی منظوری کے تحت آل انڈیا آیوش ٹیچرس ایسوسی ایشن کے صدر ڈاکٹر عبداللہ خاں اور علامہ اقبال ایجوکیشنل سوسائٹی کے ممبر ڈاکٹر داور صدیقی کے ساتھ مل کے اس زمین پر مسلم یونیورسٹی کا سائن بورڈ لگا دیا، اس موقع پر گرام پردھان کامتا پرساد سونکر و دیگر اشخاص موجود تھے۔ راقم الحروف نے یونیورسٹی انتظامیہ سے گفتگو کر کے وہاں کے لیے ایک مقامی کمیٹی تشکیل کروا دی ہے، جس میں یونیورسٹی کے رجسٹرار اس کی نمائندگی کرتے ہیں۔ علیگ خواتین و حضرات و دیگر بہی خواہان ملت کا فریضہ ہے کہ اس کار خیر میں آگے بڑھ کے حصہ لیں۔ بہرائچ شہر میں یونیورسٹی کے توسیعی دفتر کے لیے فوری طور پر زکوٰۃ فاؤنڈیشن آف انڈیا وہاں اپنی عمارت میں جگہ مہیا کر سکتا ہے۔ بہتر ہوگا کہ بہرائچ میں اپنے تعلیمی ادارہ کے لیے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اپنا ایک اکاؤنٹ اسٹیٹ بینک آف انڈیا، بہرائچ کی مین برانچ میں کھول دے۔ کیا خوب تاکید کر گئے علامہ اقبال:

تری فطرت امیں ہے ممکناتِ زندگانی کی
جہاں کے جوہرِ مضمر کا گویا امتحاں تو ہے

info@zakatindia.org

Rashtriya Sahara Dec 23, 2020

آئیے اپنے آپ کو سرسید تحریک کا علمبردار بنائیں

ڈاکٹر سید ظفر محمود

جائزہ

فی الوقت ہم ملک کے سیاسی اُفق پر بے قرار ہیں پھر بھی ہمیں اس ایمانی مفروضہ پر یقین محکم رکھنا ہے کہ ہر تنگی کے ساتھ آسائش ہے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے سو برس مکمل ہو گئے، ہم نے ملک و دنیا میں خوب پر جوش محفلیں آراستہ کیں، مکالمے منعقد کیے، اخبارات میں مضامین پڑھے، بھلا ہو وائس چانسلر ڈاکٹر طارق منصور کا، اس موقع پر وزیر اعظم و وزیر تعلیم بھی ہماری خوشیوں میں شامل ہوئے۔ ساتھ ہی یہ بھی غور کرنے کی ضرورت ہے کہ ہم نے خود انفرادی و اجتماعی طور پر سر سید احمد خاںؒ کا کتنا قرض ادا کیا ہے؟ ہم نے کتنی ذاتی تگ و دو کی ہے ملت کی فلاح و بہبود کیلئے؟ قرآن کریم میں اللہ نے بتایا ہے کہ انسانیت کی تخلیق اس لیے کی گئی ہے کہ پروردگار فیصلہ کرے کہ ہم میں سے کون زیادہ انہماک سے اس کی مخلوق کی زندگی بہتر بنانے کی جدوجہد میں لگا رہا۔ یہ کہ ہمارا پیدا کرنے والا خود ہمیشہ کام میں مصروف رہتا ہے اور اس نے اپنی روح ہمارے اندر پھونکی ہے، لہٰذا ہمیں اس کے اوصاف میں سے اپنا حصہ لے لینے کی کاوش میں لگے رہنا چاہیے۔ یہ کہ کائنات ابھی ناتمام ہے اور ہر جانب سے کن فیکون کا ورد ہمارے کانوں میں گونج رہا ہے۔ لہٰذا کوئی بڑا کام کرنے کے لیے ہمارا سکندر ہونا ضروری نہیں، بلکہ ہمارے سینہ میں تمام سامان موجود ہے اور ہم اپنا آئینہ خود بنا سکتے ہیں۔ ہمیں اپنے من میں ڈوب کر زندگی کا سراغ تلاش کرنا ہے۔ اگر ہم محفل میں شریک ہی نہیں ہوں گے تو قصور تو ہمارا ہی ہوا نا۔ ہماری جنت ہمارے سوز جگر میں پنہاں ہے۔ ہماری ہستی دانا و توانا ہے اور ہم اپنے چمنستان کی ہیئت ضرور بدل سکتے ہیں۔ کچھ اہل وطن غلط فہمی میں ہیں کہ ہماری کشتی بھنور میں ہے ایسا ہرگز نہیں ہے، وہ موجیں تو دراصل ہمارے عزم کا طواف کر رہی ہیں۔ اس ظلمت شب میں سے ہم اپنے درماندہ کارواں کو لے کے ضرور نکلیں گے۔ اب صرف چشم کو نم کرنے اور جان کو شوریدہ کرنے سے کام نہیں چلے گا اور ملت سے ہمارا پوشیدہ عشق اب کافی نہیں ہے بلکہ اب تو ہمیں بازار میں پا بجولاں چلنا ہوگا۔

سر سید احمد خاں ایسے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے جب مملکت برطانیہ نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی مدد سے علاقائی سازش و سرکشی کے ذریعہ مغلوں کی وسعت و طاقت کو محدود کر دیا تھا۔ موقع کی نزاکت کے لحاظ سے انھوں نے خود کمپنی کے کالج میں تعلیم حاصل کی اور عدل و قانون میں ڈگری حاصل کی۔ جدید سائنسی تعلیم کو فروغ دینے کے لیے تعلیمی ادارے قائم کرنے کے ساتھ مسلم تاجروں اور کاروباریوں کو سرسید نے منظم بھی کیا۔ انھوں نے اُس وقت مسلم سماج میں رائج جہالت، غیر عقلی اعتقاد اور ناکارہ رواجوں کی مخالفت کی۔ 1857 کی بغاوت کے بعد انھوں نے دلیری سے ایک کتابچہ بہ عنوان 'اسباب بغاوت ہند' لکھا تھا، جس میں انھوں نے انگریزوں کی پالیسی کی تنقید کی اور انھیں بغاوت کے لیے ذمہ دار ٹھہرایا، انھوں نے کمپنی پر زور دیا کہ انتظامیہ میں مسلمانوں کو شامل کیا جائے۔ حالانکہ ان کے دوستوں نے رائے دی کہ اس کتابچہ کے سب نسخے جلا دیے جائیں ورنہ سر سید کو ذاتی نقصان پہنچ سکتا ہے لیکن سر سید نے کہا کہ اگر ایسا ہوتا ہے تو بھی مسلمانوں کو اس کا فائدہ پہنچے گا اور انھوں نے اللہ پاک کے علاوہ کسی اور سے خوف نہ کرنے کا اعلان کرتے ہوئے اس کتابچہ کے 500 نسخے برطانوی حکومت و پارلیمنٹ کو بھیج دیے۔ وہاں اس کا انگریزی میں ترجمہ کروایا گیا اور اس پر بحث ہوئی اور پھر معمولی مخالفت کے بعد گورنر جنرل نے اس کتابچہ کو ایک مخلصانہ و دوستانہ رپورٹ کے طور پر تسلیم کر لیا اور اس کی بنیاد پر برطانوی پالیسی میں تبدیلیاں بھی کی گئیں۔

سر سید نے انگلستان کی رائل سوسائٹی اور رائل ایشیاٹک سوسائٹی کی طرز پر علی گڑھ میں سائنٹفک سوسائٹی قائم کی۔ اس کے ذریعہ سالانہ کانفرنس کا انعقاد ہوتا تھا، تعلیمی اداروں کے لیے فنڈ دیا جاتا تھا اور سائنس کے مضامین کا ایک جریدہ شائع کیا جاتا تھا۔ انھوں نے 'تہذیب الاخلاق' کے عنوان سے رسالہ شائع کرنا شروع کیا، حضور اقدسؐ کی حیات طیبہ پر مضامین لکھے اور اسلامی اصولوں کا سائنس و ترقی یافتہ سیاسی خیالات سے موازنہ کیا۔ سر سید نے 1887 میں محمڈن سول سروسز فنڈ ایسوسی ایشن قائم کیا جس کے 500 رکن تھے اور ہر شخص سالانہ 2 روپے دیتا تھا جو رقم کافی ہوتی تھی 15 نوجوانوں کو ہر سال لندن بھیجنے کے لیے جہاں وہ سول سروس کے امتحان میں شریک ہوتے تھے۔

> **کوئی بڑا کام کرنے کے لیے ہمارا سکندر ہونا ضروری نہیں، بلکہ ہمارے سینہ میں تمام سامان موجود ہے اور ہم اپنا آئینہ خود بنا سکتے ہیں۔ ہمیں اپنے من میں ڈوب کر زندگی کا سراغ تلاش کرنا ہے۔ اگر ہم محفل میں شریک ہی نہیں ہوں گے تو قصور تو ہمارا ہی ہوا نا۔ ہماری جنت ہمارے سوز جگر میں پنہاں ہے۔ ہماری ہستی دانا و توانا ہے اور ہم اپنے چمنستان کی ہیئت ضرور بدل سکتے ہیں۔**

انھوں نے تجویز دی کہ مسلمان آپس میں گفت و شنید کرنے کے لیے اردو زبان کا استعمال کریں۔ 41-1840 میں شائع شدہ ان کی کتاب 'آثار الصنادید' میں سر سید نے دہلی میں مقیم قدیم یادگاری عمارتوں کی تفصیل بیان کی۔ علی گڑھ میں محمڈن اینگلو اورینٹل اسکول قائم کرنے سے پہلے مراد آباد اور غازی پور میں بھی تعلیمی ادارے قائم کیے۔ بعد ازاں علی گڑھ کا ادارہ 1920 میں برطانوی پارلیمنٹ کے ایک خصوصی ایکٹ کے تحت مسلم یونیورسٹی بن گیا۔

ہم میں سے جس جس کے پاس انفرادی یا تنظیمی سطح پر زمین یا جائداد ضرورت سے زائد ہو انھیں اس کا کچھ حصہ کسی رجسٹرڈ ٹرسٹ کے نام منتقل کر کے وہاں تعلیمی ادارے قائم کر دینے چاہئیں۔ ملک میں جگہ جگہ مسلم تعلیمی کانفرنس کا انعقاد ہونا چاہیے، مسلم یونیورسٹی سے شائع ہونے والے رسالہ 'تہذیب الاخلاق' کا انگریزی، ہندی، ملیالم، بنگالی، تیلگو اور مراٹھی وغیرہ زبانوں میں ترجمہ شروع کر کے اس رسالہ کو ملک کے مختلف علاقوں کے طول و عرض میں تقسیم کیا جانا چاہیے۔ مسلم یونیورسٹی کے سول سروسز کے ادارہ کا ایک کیمپس دہلی میں بھی ہونا چاہیے کیونکہ سول سروسز کی کوچنگ کے لیے ملک کے کامیاب ترین کوچ صاحبان سب دہلی میں ہی ہیں۔ دہلی کیمپس کے لیے ڈائریکٹر کی تعیناتی کے لیے سول سروسز میں کام کرنے والے کسی سینئر افسر کی خدمات کو ڈیپوٹیشن پر حاصل کیا جانا چاہیے۔

مشرقی اتر پردیش کے ضلع بہرائچ میں شہر سے تقریباً 13 کلومیٹر دوری پر تحصیل مہسی کے گاؤں میگلا میں 1954 سے مسلم یونیورسٹی کو جناب سنت رام چودھری سے تحفہ میں ملی ہوئی 40 ایکڑ زمین ابھی تک غیر مستعمل پڑی ہوئی ہے۔ بھلا ہو بہرائچ کی ہیومن ویلفیئر سوسائٹی کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر وجود خاں کا کہ انھوں نے تگ و دو کر کے ضروری کاغذی کارروائی کو کسی حد تک آگے بڑھایا۔ انھوں نے مسلم یونیورسٹی کی انتظامیہ کی منظوری کے تحت آل انڈیا آیوش ٹیچرس ایسوسی ایشن کے صدر ڈاکٹر عبداللہ خاں اور علامہ اقبال ایجوکیشنل سوسائٹی کے ممبر ڈاکٹر داور صدیقی کے ساتھ مل کے اس زمین پر مسلم یونیورسٹی کا سائن بورڈ لگا دیا، اس موقع پر گرام پردھان کامتا پرساد سونکر و دیگر اشخاص موجود تھے۔ راقم الحروف نے یونیورسٹی انتظامیہ سے گفتگو کر کے وہاں کے لیے ایک مقامی کمیٹی تشکیل کروا دی ہے، جس میں یونیورسٹی کے رجسٹرار اس کی نمائندگی کرتے ہیں۔ علیگ خواتین و حضرات و دیگر بہی خواہان ملت کا فریضہ ہے کہ اس کار خیر میں آگے بڑھ کے حصہ لیں۔ بہرائچ شہر میں یونیورسٹی کے توسیعی دفتر کے لیے فوری طور پر زکوٰۃ فاؤنڈیشن آف انڈیا وہاں اپنی عمارت میں جگہ مہیا کر سکتا ہے۔ بہتر ہوگا کہ بہرائچ میں اپنے تعلیمی ادارہ کے لیے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اپنا ایک اکاؤنٹ اسٹیٹ بینک آف انڈیا، بہرائچ کی مین برانچ میں کھول دے۔ کیا خوب تاکید کر گئے علامہ اقبال:

ترى فطرت امیں ہے ممکناتِ زندگانی کی
جہاں کے جوہرِ مضمر کا گویا امتحاں تو ہے

info@zakatindia.org